مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه

نقوش اسلام

Issue.No. 11	جنوری ۲۰۰۹ء (January,2009) محرم ۱۴۳۰ھ	VOL.No.3

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

- مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی
- مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
- مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
- مولانا محمد احمد صالح جی
- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا حافظ قاری محمد ایوب
- الحاج موسیٰ بھائی درسوت
- مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

- مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
- مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری
- مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ.........................۱۰/روپے

سالانہ..........................۱۰۰/روپے

خصوصی ۳۰۰۰/روپے

ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM

MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.**247129**

(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

ماہنامہ ''نقوش اسلام''، مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT

VILL& P.O.MUZAFFARABAD DISTT.SAHARANPUR (U.P) EDITOR:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

E:\C. Wali Faile\Tif es\A017. not found.

Files\A025.TIF not found.

Wali Faile\Tif iles\A017.T not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
آیئے! ذرا اپنی زندگی کا محاسبہ کریں	محمد مسعود عزیزی ندوی	
اصلاح معاشرہ		۵
نئے سال کومنانے کا بڑھتا ہوا......	مولانا اسرار الحق قاسمی دہلی	
مشعل راہ		۷
چند مفید ہدایتیں	امام حسن البناء شہیدؒ	
تاریخ ہند		۸
ہندوستان اسلامی دور میں	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	
درس وحدت		۱۷
کفر سازی کے کارخانے بند کیجئے!	مولانا ندیم الواجدی دیوبند	
جائزہ		۲۱
فتنہ نیو ولڈ آرڈ اور سیرت نبویؐ	مولانا محمد حذیفہ وستانوی، اکل کوا	
حقائق		۲۷
درویشی بھی عیاری وسلطانی بھی عیاری	ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی دہرادون	
مسائل وفقہ		۲۹
امامت کے مسائل اور احکام	محمد مسعود عزیزی ندوی	
احوال وسوانح		۳۳
حضرت امام شافعی حیات وخدمات	مولانا رحمت اللہ نیپالی ندوی	
سیرت وکردار		۳۷
امہات المومنین کے سچے واقعات	مولانا محمد شیث ادریس تیمی	
یادرفتگاں		۴۰
حضرت حافظ عبد الرحیم صاحبؒ	منشی عبد الغفور، نعمت پور	
سبق آموز		۴۲
مجاہد شوہر کی تیس ہزار اشرفیاں......	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات	(ادارہ)	۴۸

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	............۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	............۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	............۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	............۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی		............۶۰۰
¼ صفحہ //		............۴۰۰

نوٹ: مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

E.mail: masood_azizinadwi@yahoo.co.in -------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائیننگ: عزیزی کمپیوٹر سنیٹر، مرکز احیاء الفکر اسلامی مظفر آباد سہارنپور (یوپی)

فکرونظر

آئیے! ذرا اپنی زندگی کا محاسبہ کریں

محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ تعالی نے پوری دنیا کا نظام انسان ہی کے لیے قائم کیا ہے، تاکہ وہ اس دنیا میں آنے کے بعد اپنی ہر ضرورت پوری کر سکے، خود انسان کے وجود اور اس کی تخلیق میں کیسا نظام قائم کیا ہے، کتنے پرزے انسان کو چلانے کے لیے لگے ہوئے ہیں اور کتنے جوڑ ہیں جو اپنا کام کررہے ہیں، پھر اس کی ضروریات کو خارجی طور پر پورا کرنے کے لیے آسمان کا نظام، کہکشاؤں کا نظام، چاند، سورج، تاروں اور سیاروں کا نظام، ہواؤں، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں اور ندی نالوں کا نظام، زمین کا، کھیت کھلیانوں کا، زمینی معدنیات کا، رہائش کا، تعمیر وترقی کا نظام، ملکوں کا اوران کو چلانے کا نظام، جانوروں، چوپایوں، چرندوں، پرندوں کا نظام غرضیکہ کائنات کا اور کائنات کی ہر چیز کا نظام قائم کیا ہے، یہ سب انسان کے آرام وراحت اور اس کے زندہ رہنے اور اس کی زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے۔

جس انسان کے لیے اتنا بڑا کارخانہ، اتنا بڑا نظام بنایا گیا ہے تو اس کی تخلیق کا کتنا بڑا مقصد ہوگا، کیا اس پہلو پر کبھی انسان نے سوچا ہے؟ کیا انسان نے کبھی غور کیا کہ یہ نیلا آسمان کیوں ہم پر سایہ فگن ہے؟ یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے کہاں سے آرہے ہیں؟ کس نے اتنے کولر، اے سی اور پنکھے لگائے ہیں؟ یہ لمبی چوڑی زمین کس نے اور کیوں بنائی ہے؟ اس پر یہ فلک بوس، لمبے لمبے، اونچے اونچے پہاڑ کیوں بنائے گئے؟ یہ سمندروں اور دریاؤں کا نظام کیوں بنایا گیا؟ اس کی کیا شدید ضرورت تھی؟ یہ اوراس طرح کے سوالات کیا حضرت انسان کے ذہن میں کبھی آئے؟۔

ان خارجی چیزوں کے علاوہ انسان کی خود اپنی جسمانی مشین کے متعلق ہزاروں سوالات پیدا ہوسکتے ہیں، کیا انسان نے کبھی غور کیا اس بارے میں؟ اللہ تعالی نے انسان بنا کر کتنا بڑا احسان کیا، ورنہ کوئی جانور، مچھر، مکھی بنا دیتا، کیا کبھی خیال آیا کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، ایمان کی بیش بہا دولت عطا کی، ورنہ وہ کافر اور زندیق بنا دیتا تو، کیا کبھی ذہن میں آیا کہ اللہ تعالی نے جسم بالکل صحیح وسالم بنایا، کوئی نقص اور کمی نہیں کی، ورنہ وہ لنگڑا، لولا، اندھا، بہرہ اور عیب والا بنا دیتا تو...... آپ خود اپنے جسم کے ایک ایک جوڑ، اس کی قیمت واہمیت کا اندازہ لگائیے، پھر جسمانی طاقت وقوت اور صحت کو سوچئے، اپنے شباب وجوانی پر نظر دوڑائیے، اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے والی چیزوں کا حساب لگائیے، ان سب باتوں کو ذہن میں رکھنے کے بعد غور کیجئے کہ اللہ تعالی نے آپ کے لیے اتنا سب کچھ کیا، کیا وہ یوں ہی بے مقصد ہے، یا اس کا کچھ مقصد اور منشاء ہے، تو آپ کہیں گے کیوں نہیں! بھلا جب ہمارا کوئی کام بے مقصد، بے غرض نہیں ہوتا تو خالق کائنات کا ہماری تخلیق کرنا کیسے بے مقصد ہوسکتا ہے۔

جب مقصد سمجھ میں آجائے تو اس کی تکمیل کی کوشش کرنی چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ جس خالق نے انسان کے لیے یہ سب کچھ کیا، اب اس انسان کو اس کا پرستار ہونا چاہئے، اس کی وحدانیت اور یکتائیت کا دنیا میں ڈنکا بجانا چاہئے اور اسی کو کارساز، زندگی کا اور کائنات کا

نظام چلانے والا سمجھنا چاہیے، اسی کو ہر چیز کا خالق اور مالک سمجھنا چاہیے اور اس کے احکامات کی پابندی اور اس کے رسولؐ کی پیروی کرنی چاہیے اور زندگی کے ان لمحات کی قدر کرنی چاہیے، جو تھوڑی سی زندگی ملی ہے اس میں اچھے کام کر کے اور اپنی ذمہ داریوں کو حسن خوبی انجام دے کر رضائے الٰہی کا پروانہ حاصل کرنا چاہیے، اور زندگی کا جو وقت اللہ کی نافرمانی میں گزر گیا اس پر سچی توبہ کرنی چاہیے، اور جو لمحات باقی ہیں ان کو اللہ کی رضا کے مطابق گزارنا چاہیے، اور زندگی میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ وحوصلہ رکھنا چاہیے۔

اسی لیے انسان کی تھوڑی سی زندگی کی وجہ سے محسن انسانیت سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو غریبی سے پہلے، فرصت کے اوقات کو مشغولی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے'' اور اللہ سبحانہ تعالی بھی قیامت کے دن حضرت انسان سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کرے گا'' کیوں صاحب! ہم نے (ساٹھ یا ستر سالہ) زندگی دی تھی، کہاں گزاری؟ ہم نے تمہیں جوانی دی تھی، کہاں گنوائی؟ ہم نے تمہیں مال دیا تھا کن راستوں اور کن طریقوں سے کمایا اور کن کن جگہوں پر تم نے اسے خرچ کیا؟ اور جو تم نے پڑھا لکھا تھا، علم سیکھا تھا، اس پر کتنا عمل کیا؟''۔

حقیقت یہ ہے کہ جوانی کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں گزارنا چاہیے، جتنے کام انسان جوانی میں کرسکتا ہے وہ بڑھاپے میں نہیں کرسکتا، وہ جوانی میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرسکتا ہے، اسلامی لشکروں میں اپنی جانبازی کے جوہر دکھا سکتا ہے، صحت کے زمانے میں اپنے حقوق، بندوں کے حقوق، اللہ تعالی کے حقوق صحیح ادا کرسکتا ہے، بیماری میں اپنے نفس کے حقوق ہی نہیں ادا ہوتے چہ جائے کہ دوسروں کے، جب انسان کے پاس مال ہوتا ہے تو اللہ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرسکتا ہے، صدقہ، خیرات خوب کرسکتا ہے، حج کرسکتا ہے، رفاہی کام بہت کرسکتا ہے، اللہ کی مخلوق کو خوب نفع پہنچا سکتا ہے اور خود بھی اچھی زندگی گزار سکتا ہے، لیکن غریبی میں اپنی ہی روٹیوں کے لالے پڑ جاتے ہیں، دوسروں کو کیا فائدہ پہنچائے گا، جب آدمی فرصت کے لمحات میں ہوتا ہے تو اللہ تعالی کی بھی اطاعت کرتا ہے، اپنے فرائض کو بھی پابندی سے ادا کرتا ہے، خود بھی عافیت کی زندگی گزارتا ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی خوش رکھتا ہے، مشغولیت کے زمانے میں ان سب باتوں میں کوتاہی واقع ہوجاتی ہے، انسان کی یہ تھوڑی سی زندگی ہے، اس کو چاہے وہ اپنے لیے جہنم بنالے یا جنت، موت سے پہلے پہلے اس کے پاس موقع ہوتا ہے، اپنے گناہوں سے توبہ کرلے ورنہ موت کے بعد پھر کوئی موقع ہاتھ نہیں آتا۔

یہ مختصر سی زندگی جس کو انسان ساٹھ سال ستر سال سے تعبیر کرتا ہے، اور جس کے لیے اپنی آخرت کو تباہ و برباد کرلیتا ہے، اس کا کم ہونا اللہ کے اس ارشاد سے سمجھ سکتے ہیں کہ'' تمہارے رب کے پاس کا ایک دن یہاں (دنیا) کے ایک ہزار سال کے برابر ہے'' اور اللہ تعالی نے ہماری اس زندگی کو اس فنکشن یا تعارفی جلسہ کی طرح بیان کیا جو ایک یا دو گھنٹوں کے بعد ختم ہوجاتا ہے اور فرمایا کہ'' اور جس دن (تمام لوگ) جمع ہوں گے (محشر کے دن تو وہ محسوس کریں گے) گویا کہ وہ (دنیا میں) دن کے ایک گھنٹے (ہی) ٹھہرے ہیں'' غرضیکہ ہم اپنا محاسبہ کریں اور اپنی زندگی کا اور زندگی کی نعمتوں کا جائزہ لیں اور اللہ تعالی کے شکر گزار بندے بن جائیں اور اس کے حکم کے تابع فرمان ہوجائیں اور زندگی کے تمام بتوں کو توڑ کر بس اس کی چوکھٹ پر سر رکھ دیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجائیں اور پھر اس چند سالہ زندگی کو غنیمت سمجھ کر قیمتی بنانے کی کوشش کریں اور مرنے کے بعد والی زندگی کے لیے اس کو دارالامتحان سمجھ کر زندگی گزاریں، اللہ تعالی اپنی نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائے اور اس معمولی سی زندگی کو اپنی مرضیات کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اصلاح معاشرہ

نئے سال کو منانے کا بڑھتا رواج اور ہمارا معاشرہ

مولانا اسرار الحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

انگریزی مہینوں کے لحاظ سے نئے سال کا آغاز ہو چکا ہے، جس کا نہ صرف دنیا بھر میں چرچا ہے بلکہ لوگوں کو نئے سال کا شدت سے انتظار رہتا ہے اوران میں ایک عجیب سا جوش نظر آتا دکھائی دیتا ہے، وقت کے ساتھ ہر بار نئے سال کی آمد پر خوشی کے اظہار اوراسے منانے کا رواج اب عام ہوتا چلا جارہا ہے؛ لیکن شمسی نظام کے مطابق نئے سال کو منانے کے جو طریقے اختیار کیے جارہے ہیں وہ تشویش ناک ہیں؛ کیونکہ بہت سے مقامات پر لوگ نئے سال کے استقبال میں خوب شور وہنگامہ کرتے ہیں، تفریحی پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، رات گئے تک مستی اور ایک عجیب سے جنون میں نظر آتے ہیں، اب نئے سال کی یہ دھوم دھام اور چہل پہل بڑے شہروں سے چھوٹے شہروں وقصبوں کی طرف بھی منتقل ہوتا جارہا ہے، اس موقع پر عجیب خواہشوں وتمناؤں کے اظہار کے ساتھ طرح طرح کے رنگین کارڈوں کا اپنے دوستوں ورشتہ داروں میں مبارکباد کے طور پر بھیجنے کا سلسلہ تو بالکل عام سا ہو گیا ہے، چونکہ اس زمانہ میں مغربی تہذیب وکلچر کا ہر جگہ شور ہے، اس لیے بہت سی جگہ مسلمانوں میں بھی نئے سال کو منانے کا رواج آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے۔

شمسی نظام کے مطابق جنوری سے شروع ہونے والے نئے سال کے موقع پر خوشی کے اظہار کے پیچھے کیا منطق ہے؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، ہاں اس کے برعکس یہ بات تو ذہن میں آتی ہے کہ نئے سال کے آغاز پر اپنے بیتے ہوئے سال کا محاسبہ کیا جائے کہ گزرے ہوئے سال میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ کتنے اچھے کام کیے اور کتنے برے؟ اگر کچھ غلط کام کیے ہوں تو ان پر ندامت کا احساس کرتے ہوئے آئندہ سال کو نیکی وخیر کے ساتھ گزارنے کی دعا کی جائے اوراس بات پر بھی غور وفکر کیا جائے کہ نئے سال کو اعمال وکردار کے اعتبار سے کیسے کامیاب بنایا جائے؟ لیکن صرف نئے سال کی آمد کو محض تقریب وتفریح کا موقع سمجھنا، مستی کرنا، دھوم دھام مچانا اور مختلف قسم کی اخلاقی برائیوں کو روا سمجھنا ایک بے جا تصور ہے، اگر یہ سب کچھ محض مغربی معاشرہ میں ہو تو حیرانی کی بات نہیں؛ کیونکہ مغربی تہذیب، عریانیت، فحاشیت اور موج ومستی سے مرکب ہو چکی ہے؛ لیکن اگر یہی سب کچھ مشرقی تہذیب، ہندوستانی سماج یا مسلم معاشرہ میں بھی دیکھنے کو ملے تو حیرت واستعجاب کی انتہا نہیں رہتی، انگریزی تاریخ سے شروع ہونے والے نئے سال کی گونج اب رفتہ رفتہ مسلم آبادیوں، محلوں اور حلقوں میں بھی خوب سنی جانے لگی ہے، ایسا لگتا ہے کہ بہت سے مسلمان اب تہذیب جدید کی نمائندگی کرنے والے سالِ نو کی تقریب میں شامل ہونے کو باعث صد افتخار سمجھتے ہیں۔

ماہ جنوری سے شروع ہونے والے نئے سال کا مسلمانوں سے کیا تعلق ہے اور اس نئے سال کو منانے کے موجودہ طریقوں سے برادران اسلام کا کیا جوڑ ہے؟ یہ دو اہم سوالات ہیں اور دونوں ہی کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں؛ کیونکہ جہاں تک جنوری سے سال کے شروع ہونے کی بات ہے تو بلا شک وشبہ اس کا تعلق شمسی یا عیسوی کیلنڈر سے ہے، جب کہ اسلامی کیلنڈر قمری ہے، جس کے ساتھ اسلام کا نظام حیات جڑا ہوا ہے، اسلام کے بہت سے احکامات کا نفاذ

قمری کیلنڈر سے ہوتا ہے، شمسی یا عیسوی کیلنڈر سے نہیں، اسلامی کیلنڈر کے لحاظ سے نئے سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے، یوم عاشورہ اسی ماہ میں واقع ہوتا ہے، شب قدر شعبان کے مہینہ میں آتی ہے، فرض روزے ماہ رمضان میں رکھے جاتے ہیں، عیدالفطر شوال کی پہلی تاریخ کو واقع ہوتی ہے اور ''عیدالاضحیٰ'' آخری مہینہ ذی الحجہ کی ۱۰/۱۱/۱۲/ تاریخ کو ہوتی ہے، یہ دونوں عیدیں یقیناً امت مسلمہ کے لیے رب کائنات کی جانب سے عظیم تحفہ ہیں، اسلام کے ایک اور اہم رکن ''حج بیت اللہ'' اسلامی وقمری نظام کے مطابق متعینہ تاریخوں میں فرض کیا گیا ہے گویا کہ دو اہم فرائض ''روزہ'' اور ''حج'' جنہیں دین کے پانچ اہم ستونوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے، ان کی ادائیگی قمری نظام کے مطابق ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ پوری امت مسلمہ کے لیے چاہے وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں آباد ہو، نیا سال ماہ محرم سے شروع ہوتا ہے، جنوری سے نہیں، اسلامی اعمال وارکان میں کوئی اہم رکن تو کیا معمولی عمل بھی انگریزی مہینوں کے مطابق انجام نہیں دیا جاتا، پھر انگریزی وشمسی نظام پر مبنی نئے یا پرانے سال سے مسلمانوں کا کیا تعلق؟۔

نئے سال کو جنوری سے ماننے کا مطلب ہے قمری مہینوں کے نظام کو نظر انداز کر کے شمسی وانگریزی تاریخوں کے مطابق زندگی گزارنا جس میں امت مسلمہ کے لیے بڑے نقصانات ہیں، پہلا اور بنیادی نقصان تو یہ ہے کہ مسلمان اس صورت میں اسلامی نظام زندگی سے بہت دور ہوجائیں گے، وہ اپنے نکاح کی تاریخیں، تقریبات اور میٹنگوں کی تاریخیں، یہاں تک کہ اپنے روزمرہ کے معمولات کو بھی انگریزی مہینوں کے حساب سے ہی ترتیب دیں گے، یعنی مغربی نظام زندگی کے قریب چلے جائیں گے، جس کے خطرناک نتائج آگے چل کر رونما ہوسکتے ہیں، اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ ہوسکتی ہے کہ کہیں وہ اسلامی یا قمری مہینوں کو بھول کر بہت سی ایسی اہم تاریخوں اور دنوں کو نہ بھول جائیں جن کو پروردگار عالم نے دوسری تاریخوں یا دنوں کے مقابلے میں زیادہ اہم اور قیمتی قرار دیا ہے، جیسے کہ راتوں میں شب قدر، شب برأت، دنوں میں یوم عاشورہ اور یوم جمعہ وغیرہ، اس کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں چند فیصد افراد کو چھوڑ کر زیادہ تر لوگوں کو نہ تو قمری تاریخوں کا علم ہوتا ہے اور نہ قمری مہینوں کا ہے، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جمعہ کے جس قدر فضائل بیان کیے گئے ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ مسلمان اس دن کا اہتمام کریں، جمعہ کی نماز کی تیاری کریں، صاف کپڑے پہنیں، عبادت خداوندی میں مشغول ہوں، ذکر واذکار کریں، اللہ سے دعائیں مانگیں، اس کے لیے انہیں چاہئے کہ اس دن روزمرہ کے عام معمولات اور تجارتی ودفتری کاموں سے فارغ ہوں، مگر انگریزی تاریخوں کے مطابق نظام زندگی ترتیب دینے کی وجہ سے عام طور سے اب مسلمانوں میں اس دن کا کوئی خاص اہتمام دیکھنے کو نہیں ملتا، لوگ بھاگتے دوڑتے نماز جمعہ ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں؛ کیونکہ روزمرہ کی طرح وہ اس دن بھی تجارت میں مشغول رہتے ہیں، آفسوں میں کام کرتے ہیں، دوکانیں کھولتے ہیں اور خرید وفروخت میں لگے رہتے ہیں۔

آج کل نئے سال کو جس طرح منایا جاتا ہے اگر اسلامی اعتبار سے اس کے تعلق سے بات کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح محرم کی پہلی تاریخ کو بھی منانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگ نئے سال پر یا کسی بھی موقع پر آپے سے باہر ہوجائیں، آتش بازی کریں، ہواؤں میں غبارے اڑائیں، رقص وسرور کی محفلیں سجائیں، عریانیت کا مظاہرہ کریں یا عریاں پروگراموں میں حصہ لیں، لکھے گئے کارڈوں کا آپس میں گفت کے طور پر بھیجنا اور الٹی سیدھی سطروں سے سجا کر اس کو مزین کرکے دوست واحباب کو پیش کرنا جس پر ذاتی مفاد کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، یہ محض ایک لغو کام ہوتا ہے جس کا شریعت اسلامیہ میں کوئی جواز نہیں، چونکہ اسلام سادہ مذہب ہے، سادگی کو پسند کرتا ہے، خرافات، لغویات اور بے جا حرکتوں سے ماحول ومعاشرہ کو پاک رکھنے کی ہدایت دیتا ہے، اسلام کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جو اللہ کی عبادت وفرمانبرداری اور خلق

خدا کی خدمت پر مبنی ہو، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم سوسائٹیوں، محلوں اور مسلم آبادیوں کو اس طرح کی تقریبات سے پاک رکھا جائے، اس سلسلہ میں ملت کے ذمہ دار وحساس افراد اہم رول ادا کر سکتے ہیں، اگر امت مسلمہ کو نئے سال، برتھ ڈے، جیسی مغربی تقریبات کے دور رس نتائج سے آگاہ نہ کیا گیا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو کچھ بعید نہیں کہ مسلم معاشرہ میں ایسی فحش حرکات ولغو باتیں پوری شدومد کے ساتھ درآئیں جو اسلامی معاشرت کو تباہ کر کے رکھ دیں اور مسلمان اپنی تہذیب سے دور ہو کر عیسائی یا مغربی تہذیب کے دلدادہ بن جائیں، یاد رکھنا چاہئے کہ کسی قوم کی بقاء کے لیے اس کی تہذیب کی بقاء ضروری ہے جس قوم کی تہذیب ومعاشرت ختم ہو جاتی ہے اس کا وجود بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁

قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

☆ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

☆ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔

☆ شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔

☆ ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

مشعل راہ

دس مفید ہدایتیں

امام حسن البناء شہید رحمۃ اللہ علیہ

❁ حالات خواہ کیسے ہی ہوں جب اذان کی آواز کانوں میں پڑے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔

❁ تم قرآن کی تلاوت کرو، یا اس کا بغور مطالعہ کرو، یا اسے دوسروں سے سنو، بہرحال تم اپنے وقت کا کوئی حصہ بھی بے فائدہ کام میں صرف نہ کرو۔

❁ فصیح اور صاف ستھری زبان میں گفتگو کرنے کی کوشش کرو، یہ کام بھی شعائر اسلام میں سے ہے۔

❁ معاملہ خواہ کسی نوعیت کا بھی ہو، اس میں زیادہ بحث وتکرار سے کام نہ لو، کیوں کہ بحث وتکرار سے بہتر نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

❁ زیادہ نہ ہنسو، جو دل خدا سے وابستہ ہوتا ہے وہ بے حد پرسکون ہوتا ہے۔

❁ زیادہ بلند آواز میں گفتگو نہ کرو، اس میں تکبر بھی ہے اور دوسروں کے لیے اذیت بھی۔

❁ مسخرہ پن اختیار نہ کرو، مجاہد قوم سنجیدگی کے سوا کسی چیز سے آشنا نہیں ہوتی۔

❁ لوگوں کی غیبت اور دوسروں پر الزام تراشی سے بچو، تمہاری زبان سے خیر کے سوا کوئی لفظ نہ نکلے۔

❁ جس رفیق سے بھی تمہاری ملاقات ہو، اس سے اپنا پورا تعارف کراؤ، خواہ اس سے خواہش کا اظہار کیا ہو، یا نہ کیا، ہماری دعوت کی بنیاد محبت اور تعارف پر استوار ہے۔

❁ فرائض اوقات سے زیادہ ہیں، لہٰذا تم اپنے دوسرے رفقا کی بھی بھرپور مدد کرو، تاکہ وہ اپنے وقت سے زیادہ استفادہ کر سکیں، اگر تمہارے ذمہ کوئی خاص مہم ہو تو اسے کم سے کم وقت میں پایہ تکمیل تک پہنچاؤ (تلک عشرۃ کاملہ)۔

تاریخ ہند

ہندوستان اسلامی دور میں

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

غزنوی خاندان:

افغانستان میں ایک تاریخی شہر کا نام غزنہ ہے جس کی مناسبت سے وہاں کے حکمرانوں کو غزنوی کہا جاتا ہے، ہندوستان کی پوری تاریخ میں باضابطہ حکومت کرنے والا غزنوی خاندان ہی سب سے پہلا مسلم خاندان تھا۔

۹۳ھ مطابق ۷۱۳ء میں محمد ابن قاسم کے حملہ کے بعد سے چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک تقریباً تین سو سال سندھ اور ملتان پر عربوں ہی کی حکومتیں رہیں، تین سو سال کے اس طویل وقفہ کے بعد افغانستان میں درۂ خیبر کے راستہ سے وہاں کے مسلم ترک حکمراں ناصرالدین سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور پنجاب، ملتان، سندھ وغیرہ پر قبضہ کیا، جس کے بعد کشمیر، قنوج، گوالیار اور گجرات وغیرہ کے راجاؤں نے بھی اس کو خراج یعنی ٹیکس دینا شروع کیا، اس وقت پنجاب پر راجہ جے پال کی حکومت تھی۔

محمود غزنوی:

محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء سے ۱۰۲۷ء تک ہندوستان پر سترہ بار حملہ کیا، ۱۰۲۵ء میں اس نے گجرات کے کاٹھیا واڑ خطہ میں سمندر کے کنارے ایک بڑے مندر کی وجہ سے مشہور تھا، اس نے اس پر اپنے قبضہ کے باوجود حکومت نہیں کی؛ بلکہ وہاں کے ہندو حکمراں کو ہی بحال رکھا، اس نے ہندوستان پر اپنے ہر حملے میں کوئی نہ کوئی نیا شہر فتح کیا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی سلطنت پنجاب، سندھ اور ملتان ہی تک محدود رکھی، محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملہ کے وقت ہمارا ملک مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور سلطنتوں میں بٹا ہوا تھا، شمال میں لاہور، اجمیر، قنوج اور مغرب میں گجرات وغیرہ پر گوجر یعنی راجپوتوں کی حکمرانی تھی، اسی طرح جنوبی ہند میں پانڈیا اور چالوکیہ خاندان کی، محمود غزنوی کی وفات غزنہ میں ۱۰۳۰ء میں ہوئی، اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد غزنوی ہوا، سات سال کے بعد حکومت اس کے چھوٹے بھائی مسعود غزنوی کے پاس آئی، پھر دوبارہ محمد غزنوی بادشاہ ہوا، ۱۱۸۷ء میں اس خاندان کی حکومت ختم ہوئی، اس خاندان کا آخری حکمراں خسرو ملک تھا، جس کو شہاب الدین غوری گرفتار کر کے غزنہ لے گیا، وہیں اس کی وفات ہوئی، محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا وہ مسلم حکمراں تھا جس نے کبھی شکست کا سامنا نہیں کیا، مؤرخین عام طور پر اس کا موازنہ مشہور فلسفی ارسطو کے شاگرد اور یونان کے بادشاہ سکندر اعظم سے کرتے ہیں، اس کے متعلق انگریز مؤرخین نے یہ غلط فہمی پھیلائی کہ ہندوستان پر اپنی حکمرانی کے دوران اس نے ہندوؤں پر غیر معمولی ظلم کیا اور ان کو جبراً اسلام میں داخل کیا، جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اس کو اپنی ہندو رعایہ سے بھی بڑی محبت تھی، خود اس کی فوج میں ہندو بڑے مناصب پر فائز تھے اور سومناتھ کے مندر پر اس کے حملہ کا تعلق بھی اس کی سیاسی پالیسی سے تھا، نہ کہ مذہبی معاملہ سے۔

غوری خاندان:

غور افغانستان میں غزنہ شہر کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے جس کی مناسبت سے وہاں کے لوگ غوری کہلاتے ہیں، بارہویں صدی عیسوی کے اواخر یعنی ۱۱۸۷ء سے ۱۲۰۶ء تک ہندوستان پر غوری

خاندان حکمراں رہا، ان کا سب سے پہلا حکمراں شہاب الدین محمد غوری تھا جس نے شمالی ہند میں سب سے پہلے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی، وہ بڑا دین دار، رحم دل اور خداترس بادشاہ تھا، اس نے سب سے پہلے ملتان پر قبضہ کیا اور پھر لاہور و دہلی پر۔

۱۱۹۱ء میں اجمیر و دہلی کے حکمراں پرتھوی راج چوہان کے ساتھ لڑائی میں اس کو شکست ہوئی اس لیے کہ پرتھوی راج کے پاس ڈھائی لاکھ کی فوج تھی اور محمد غوری کے پاس صرف تین ہزار کی، لیکن اگلے ہی سال محمد غوری نے ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج کے ساتھ اس کی تین لاکھ فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی اس شکست کا بدلہ ترائن کے مقام پر لیا، پرتھوی راج کو گرفتار کرکے مارڈالا، دہلی اور اجمیر پر راجپوتوں کی حکومت کا خاتمہ کردیا اور دہلی پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد اس نے قنوج کے راجہ کو بھی شکست دے کر اپنی سلطنت کا دائرہ بنارس تک وسیع کردیا، لیکن اس مرتبہ اس نے ہندوستان میں قیام نہیں کیا بلکہ مفتوحہ علاقہ اپنے غلام قطب الدین کے حوالہ کرکے خود غزنہ واپس چلا گیا، اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، ۱۲۰۶ء میں وہ ہندوستان آکر واپس جارہا تھا کہ جہلم کے قریب نماز کی حالت میں اس کو شہید کردیا گیا، شہاب الدین غوری کی حکومت مشرق میں دریائے گنگا کے کنارے سے جنوب میں پشاور تک پھیلی ہوئی تھی، یہی وہ زمانہ تھا جب مشہور بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر تشریف لائے اور وہاں سے ہندوستان میں اپنے دعوتی و تبلیغی مشن کا آغاز کیا۔

خاندان غلامان:

غوری خاندان کے بعد ۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء پورے شمالی ہند میں ہمالیہ سے دریائے برہم پترا اور سندھ تک غلاموں کی ۸۴/سال حکومت رہی، ۱۲۰۶ء میں محمد غوری کا انتقال ہوا، چونکہ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے مختلف صوبوں میں اس کے مختلف غلاموں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا، لیکن جلد ہی ان سب پر قابو پاکر پورے شمالی ہند میں اس کا غلام قطب الدین ایبک حکمراں بنا، یہ وہی حکمراں تھا جس نے دہلی میں اس وقت کے دنیا کے سب سے بلند دوسو بیالیس فٹ اونچے قطب مینار کا کام شروع کیا، جو دراصل مسجد قوۃ الاسلام کا مینار تھا، ۱۲۱۰ء میں شمس الدین التمش اس کا جانشین ہوا، جو خود ایک ترک غلام اور قطب الدین کا داماد تھا، وہ بڑا رحم دل اور نیک سیرت تھا، اس نے اپنی سلطنت میں سندھ، اجین، مالودہ اور گوالیار وغیرہ شامل کئے اور ۱۲۲۸ء میں قطب مینار کی تعمیر مکمل کی، مشہور بزرگ قطب الدین بختیار کاکیؒ اسی زمانے کے تھے، التمش بڑا مذہبی اور نیک بادشاہ تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی تکبیر اولی اور تہجد کبھی فوت نہیں ہوئی، ۱۲۳۶ء میں التمش کی وفات کے بعد اس کی بیٹی رضیہ سلطانہ نے اقتدار سنبھالا، وہ ہندوستان کی پہلی مسلم حکمراں خاتون تھی، لیکن ۱۲۴۰ء میں وہ بھی ایک بغاوت میں ماری گئی، اس کے بعد التمش کے پوتے علاء الدین نے چار سال تک حکومت کی، اس کو بھی ۱۲۴۶ء میں قتل کردیا گیا، ۱۲۴۶ء تا ۱۲۶۶ء مسلسل بیس سال تک التمش کے چھوٹے بیٹے ناصر الدین محمود کی حکمرانی رہی، وہ نہایت دیندار، قابل اور صالح حکمراں تھا، کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کی آمدنی پر گزارہ کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نہایت محبت تھی، اس کے ایک درباری کا نام محمد تھا، بغیر وضو اس کو وہ محمد کہہ کر نہیں پکارتا تھا، اس کا زمانہ بڑا ہی پرامن رہا، وہ لاولد تھا، اس لیے اس کے بعد حکمرانی التمش کے ترک غلام اور داماد غیاث الدین بلبن کے حصہ میں آئی، مشہور شاعر امیر خسرو اسی زمانہ کے تھے، اس خاندان کا سب سے اہم و قابل حکمراں غیاث الدین بلبن تھا جس نے ۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۶ء بیس سال حکومت کی، اس نے ہندوستان کی شمالی ومغربی مستحکم کی، غلاموں کے اس خاندان میں کل دس بادشاہ ہوئے، ان کا آخری بادشاہ کیقباد تھا جس کو خلجیوں نے قتل کردیا تھا، ان غلاموں کا عہد اس اعتبار سے ممتاز رہا کہ ان کے عہد میں تمام غیر ملکی حملوں کو انہوں نے ناکام کردیا تھا۔

خلجی خاندان:

ترکستان سے تعلق رکھنے والے افغانستان میں برسوں سے مقیم

ایک خاندان کا نام خلجی تھا جس نے ہندوستان پر ۱۲۹۰ء سے ۱۳۲۱ء تک ۳۱ رسال حکومت کی، ترک غلاموں کی ہندوستان پر حکمرانی کے آخری زمانہ میں اس خاندان کا ایک شخص فیروز خلجی وزیر بن گیا تھا، اس نے ۱۲۹۰ء میں خاندان غلامان سے حکومت چھین کر اس پر قبضہ کیا اور اپنا نام جلال الدین رکھ کر حکومت شروع کی اور جلال الدین خلجی کہلایا، پنجاب پر مغلوں کے حملوں میں ہزاروں مغل قید ہوئے، جلال الدین نے ان سب کو معاف کر کے آزاد کیا تو وہ اس کے اخلاق سے متأثر ہوکر مسلمان ہوگئے، وہ بڑا نیک دل اور صالح بادشاہ تھا، ۱۲۹۶ء میں اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی نے اس کو قتل کر کے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا، علاء الدین ایک بہادر حکمراں تھا، ۱۲۹۷ء میں دولاکھ کی مغل افواج نے جب دہلی پر حملہ کیا تو اس نے ان کا کامیاب مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی، اس کی سلطنت پنجاب سے دکن اور گجرات تک پھیلی ہوئی تھی، اور پورے ہندوستان میں اب تک کی سب سے بڑی اسلامی حکومت تھی، اسی کے زمانہ میں مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ شمالی ہند سے جنوبی ہند تک پھیلی گیا۔

ہندوستان کی تاریخ میں اشوکہ کے بعد علاء الدین خلجی ہی سب سے وسیع ملک کا مالک تھا، اس خاندان کا آخری بادشاہ خسرو خان تھا جو گجرات سے تعلق رکھنے والا ایک نومسلم تھا جس کو ختم کر کے غیاث الدین تغلق نے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی، مشہور بزرگان دین حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر اور حضرت نظام الدین اولیاء اسی عہد کے تھے، جن کے ذریعہ ہندوستان میں بڑی تیزی سے اسلام کی دعوت پھیلی اور لاکھوں لوگ اسلام میں داخل ہوئے، پہلی دفعہ جنوبی ہند میں دکن اور کرناٹک کے علاقوں گلبرگہ، رایچور وغیرہ میں مسلمانوں کی حکومت بھی ۷۱۱ھ مطابق ۱۳۱۱ء میں علاء الدین کی وفات کے بعد خلجی کے سپہ سالار ملک کافور کے ذریعہ ہی قائم ہوئی، ۱۳۱۶ء میں علاء الدین کی وفات کے بعد خلجی خاندان کی حکومت کمزور ہوگئی اور ۱۳۲۱ء میں بالآخر اس خاندان کی حکومت کا ہی خاتمہ ہوگیا۔

تغلق خاندان:

۱۳۲۱ء تا ۱۴۱۳ء مسلسل ۹۲ رسال تغلق خاندان کی ہندوستان پر حکمرانی رہی، ۱۳۲۱ء میں غیاث الدین تغلق نے جس کا اصلی نام غازی ملک تغلق تھا اور جو خلجی حکومت میں سپاہی تھا خلجی خاندان کے آخری حکمراں خسرو خان کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کیا، غیاث الدین بڑا خدا ترس اور نیک حاکم تھا۔

محمد تغلق:

۱۳۲۴ء میں غیاث الدین کا بیٹا محمد تغلق حکمراں بنا جو نہایت متقی و پرہیزگار اور انصاف پسند بادشاہ تھا، وہ حافظ قرآن بھی تھا، اس نے سینکڑوں دینی مدارس قائم کئے، اسی نے سب سے پہلے ہمارے ملک میں تانبے کے سکے جاری کئے، اس نے ۲۶ رسال حکومت کی، اسی کے عہد میں پہلی دفعہ شمالی ہند سے مسلمان حکمرانوں کے قدم جنوبی ہند میں جمے، اس نے کوشش کی کہ جنوب کے بادشاہوں کی بار بار کی بغاوتوں کا سامنا کرنے کے لیے وہیں دار السلطنت اور سیاسی مرکز قائم کیا جائے تاکہ دکن میں بھی مسلمانوں کا تسلط برقرار رہے، چنانچہ اس نے کچھ مدت کے لیے اپنا پایہ تخت دہلی سے دکن میں دولت آباد منتقل کیا، جس کا نام پہلے دیوگڑھ تھا، بعد میں دہلی ہی دوبارہ پایہ تخت ہوگیا، اس نے چین، تبت، خراسان وغیرہ کو فتح کرنے کے لیے ہندوستان سے اپنی افواج روانہ کیں لیکن اس کو اس میں کامیابی نہیں مل سکی، اس کے زمانہ میں ملک کے متعدد صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں جن میں موجودہ صوبہ کرناٹک، گلبرگہ سرفہرست تھا جہاں علاء الدین حسن بہمنی نے اپنی الگ حکومت قائم کی تھی، گجرات کے علاوہ دیگر صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں، اس نے ۲۷ رسال حکمرانی کی۔

تغلق خاندان کے دیگر حکمراں:

۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء ۳۸ رسال فیروز شاہ تغلق تنہا بادشاہ رہا، وہ محمد تغلق کا چچازاد بھائی تھا، اتر پردیش کا موجودہ شہر جونپور اسی کا بسایا ہوا ہے، دہلی کے قریب فیروز آباد کے نام سے بھی اس نے ایک الگ شہر

بسایا تھا، اس کے انتقال کے بعد سلطنت پر قبضہ کے لیے اس کے خاندان میں خانہ جنگی شروع ہوئی، پہلے غیاث الدین تغلق دوم وارث بنا، کچھ مدت کے بعد ابوبکر تغلق نے اس پر قبضہ کیا، اس کے بعد محمد بن فیروز شاہ نے اقتدار سنبھالا، اس کے بعد سکندر شاہ نے حکومت کی، فیروز تغلق بڑا قابل انصاف پسند، رحم دل اور نہایت دیندار بادشاہ تھا ہندوستان میں اپنی حکومت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش سب سے پہلے اسی نے کی اور علماء کے حکم پر غیر مسلموں کو ذمی قرار دے کر جزیہ لینا شروع کیا اور دوسرے تمام ٹیکس معاف کردیئے، مشہور بزرگ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اسی کے عہد کے تھے، آل تغلق کی حکمرانی کا مجموعی دور بڑا اچھا رہا، پورے ملک میں بے شمار سڑکیں تعمیر ہوئیں، ڈاک کا نظام وسیع و مستحکم ہوا، مشہور عالمی سیاح ابن بطوطہ ان ہی کے عہد میں (جب محمد تغلق حکمراں تھا) ہندوستان آیا اور دہلی و آس پاس میں آٹھ سال قیام کیا، ۱۳۹۸ء میں اسی خاندان کے آخری حکمراں محمود تغلق کے دور میں چنگیز خان کی نسل سے تعلق رکھنے والے منگول (مغل) بادشاہ امیر تیمور لنگ سمرقند سے آکر ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی پر قبضہ کرلیا، محمود تغلق گجرات بھاگ گیا، لیکن چند دنوں کے بعد جب تیمور لنگ واپس چلا گیا تو محمود تغلق دہلی واپس آگیا، ۱۴۱۲ء میں اس کی وفات ہوئی اور اسی کے ساتھ تغلق خاندان کی حکمرانی کا باب بھی بند ہوگیا۔

سید خاندان:

۱۴۱۳ء تا ۱۴۵۱ء ۳۸ رسال کے وقفہ کے لیے حکومت دہلی پر سید خاندان کا قبضہ رہا، ان کا پہلا بادشاہ سید خضر خان تھا، جو پنجاب کا حاکم تھا، اس نے دولت خان سے جو تغلق خاندان کا وزیر تھا اور ان کے بعد دہلی پر اس کا قبضہ تھا، حکومت چھین کر دہلی پر خود قبضہ کرلیا، اس نے سات سال حکومت کی، اس کے بعد اس کا لڑکا مبارک خان بادشاہ ہوا جس کی حکومت دہلی کے علاوہ پنجاب اور ملتان پر بھی تھی، اس نے لاہور تک پہنچنے والی افغان فوجوں کو شکست دے کر واپس کابل بھیج دیا، لیکن ۱۴۳۵ء میں وہ ایک سازش میں قتل کردیا گیا جس کے بعد خضر خان کا پوتا محمد شاہ بادشاہ بنا، اس نے بارہ سال حکومت کی، دہلی پر جونپور کے حاکم نے جب قبضہ کرنا چاہا تو پنجاب کے بادشاہ بہلول لودھی نے اس کی مدد کی، ۱۴۴۵ء میں اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے علاء الدین سے حکومت سنبھالی نہیں جاسکی جس کے بعد بہلول لودھی نے دہلی پر اپنا قبضہ کرلیا۔

لودھی خاندان:

۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء ہندوستان کی مسلم حکومت لودھی خاندان میں رہی جو اصلاً پٹھان تھے اور تغلق خاندان کی حکومت میں ملازمت کرتے تھے، ان کا اقتدار ۷۵ رسال تک رہا، ان کا پہلا بادشاہ ۱۴۵۱ء میں بہلول لودھی تھا جس نے ۱۴۸۸ء تک تنہا ۳۸ رسال حکومت کی، ۱۴۷۹ء میں اس نے اپنی سلطنت کا دائرہ شمال میں جونپور اور بندیل کھنڈ تک وسیع کردیا، وہ بڑا نیک بادشاہ تھا، اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال کیا، اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ بہلول کا بیٹا سکندر لودھی تھا جس نے اٹھائیس سال حکومت کی، اسی نے آگرہ کا شہر بسایا اور اس کو اپنا دار الخلافہ بنایا، سکندر لودھی کا بیٹا ابراہیم لودھی ان کا آخری حکمراں تھا جو ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں مغل بادشاہ بابر کے ساتھ جنگ میں مارا گیا، اسی کے ساتھ لودھی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

مغلیہ خاندان:

مغل دراصل منگول کی بگڑی ہوئی شکل ہے، ملک منگولیا کے رہنے والوں کو منگول کہا جاتا تھا جو وسط ایشیاء میں روس اور چین کے درمیان واقع ہے، یہ بڑی جنگجو قوم تھی، ان کو تاتاری اور تیموری بھی کہا جاتا تھا، یاد رہے کہ ہندوستان کی قدیم اقوام میں شمالی مشرق سے آنے والی ایک اور قوم کا نام بھی منگول ہے، جو آج کل تبتی، نیپالی اور بھوٹانی کہلاتے ہیں۔

مشہور فاتح امیر تیمور اس خاندان کا بانی تھا جس کا انتقال ۱۴۰۵ء

میں ہوا، اس کی حکومت کا دائرہ دریائے فرات سے دریائے جمنا تک پھیلا ہوا تھا، چنگیز خان بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا جس نے لاکھوں انسانوں کو قتل کر کے چین ، ترکستان ، روس ، ایران ، افغانستان اور جنوب مشرقی یوروپی ممالک کو فتح کیا تھا۔

ہندوستان پر مغلیہ خاندان نے تین سو سال سے زائد عرصہ تک یعنی ۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء طویل حکمرانی کے فرائض انجام دیئے۔

مغلیہ خاندان کے علاوہ اتنے طویل عرصہ تک برصغیر کی تاریخ میں کسی ایک خاندان کی حکمرانی کی مثال نہیں ملتی ، ہندوستان میں مسلمانوں کی یہی آخری حکومت بھی تھی۔

مغلیہ سلطنت کا قیام :

۱۵۲۶ء میں افغانستان میں کابل کے تیمور خاندان سے تعلق رکھنے والے حکمراں ظہیر الدین بابر نے پانی پت کے میدان میں دہلی کے اس وقت کے حکمراں ابراہیم لودھی کو ختم کر کے اور اس کی ایک لاکھ فوج کو شکست دے کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی اور مالوہ سے بنگال تک قبضہ کرلیا، حالانکہ بابر کے ساتھ صرف ۱۲ / ہزار کی فوج تھی۔

بابر بڑا بہادر تھا، وہ صرف گیارہ سال کی عمر میں ترکستان میں فرغانہ کا بادشاہ بنا تھا، اس کے بعد اس نے کابل میں اپنی حکومت قائم کی، پھر وہیں سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

۱۵۲۹ء میں شمالی ہند کے مختلف ہندو راجاؤں کے ساتھ جس میں سرفہرست رانا سانگا تھا بابر کی سخت لڑائی ہوئی جس میں اس کو فتح ملی ، حالانکہ اس کے مقابلہ میں پونے دو لاکھ کی فوج تھی، اس نے من جملہ اڑتیس سال حکومت کی، جس میں ہندوستان میں حکومت کے چار سال بھی شامل ہیں۔

۱۵۳۰ء میں پچاس سال کی عمر میں بابر کی وفات ہوئی ، اس کی وصیت کے مطابق کابل (افغانستان) میں اس کو دفن کیا گیا۔

سوری خاندان (پٹھان):

بابر کی وفات کے بعد اس کا نوجوان بیٹا ہمایوں صرف تیس سال کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین بنا؛ لیکن جلد ہی اس کو ایک دوسرے افغان سردار شیر شاہ سوری سے جس کا نام فرید خان تھا اور بہار میں سہسرام کا زمیندار تھا شکست کا سامنا کرنا پڑا، ہمایوں ایران بھاگا اور ۱۵۵۵ء تک ہندوستان سے باہر رہا۔

شیر شاہ سوری بڑا قابل حکمراں تھا، اس نے جونپور کے دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی، افغانستان میں پٹھانوں کے قبیلہ سور سے اس کا تعلق تھا۔

اس کی حکومت بہار، بنگال اور دہلی سے سندھ و پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی اس نے اپنی پانچ سالہ حکومت میں پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھایا، پنجاب سے بنگال تک اس نے ملک کی سب سے بڑی تیرہ سو میل کی نئی سڑک بنوائی، وہ بڑا بہادر تھا، کبھی شکست کا سامنا نہیں کیا، اس نے بے شمار مسجدیں تعمیر کیں اور دہلی کے بجائے سہسرام کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

۱۵۴۵ء میں اس کا انتقال ہوا، لیکن اس کے جانشین سلیم شاہ، فیروز شاہ محمد شاہ، عادل، ابراہیم شاہ اور سکندر شاہ وغیرہ نااہل وعیاش نکلے اور ان سے حکومت سنبھالی نہیں جاسکی۔

مغلیہ خاندان کی واپسی :

سوری خاندان کی نااہلی کا فائدہ اٹھا کر ہمایوں نے ۱۵۵۵ء میں شاہ ایران کی مدد سے اپنی پندرہ ہزار فوج کے ساتھ سکندر شاہ کی اسّی ہزار فوج کو شکست دے کر دہلی پر دوبارہ قبضہ کرلیا؛ لیکن دوسرے سال ہی ہمایوں کی وفات ہوگئی وہ دہلی مدفون ہوا، یہ جگہ اب ہمایوں کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کا شمار دہلی کے تاریخی مقامات میں ہوتا ہے، ہمایوں بڑا علم دوست اور مذہبی بادشاہ تھا۔

جلال الدین اکبر :

ہمایوں کے بعد اس کا بڑا بیٹا جلال الدین اکبر صرف چودہ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا، بیرم خان اس کا استاذ تھا جو امور سلطنت میں اس کی رہنمائی کرتا تھا، لیکن کچھ سالوں کے بعد حج کو جاتے ہوئے

گجرات میں وہ بھی قتل کردیا گیا، اکبر کوشروع میں مختلف صوبوں مثلاً اودھ، پنجاب اور مالوہ وغیرہ میں بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس نے ان سب کا کامیاب مقابلہ کیا اور سندھ، قندھار، کشمیر، بہار، بنگال، مالوہ گجرات، اڑیسہ، بلوچستان اور دکن وغیرہ کو اس نے ازسرنو اپنی سلطنت میں شامل کیا اور دوبارہ متحدہ ہندوستانی حکومت قائم کی، اس نے تقریباً پچاس سال حکومت کی، مسلسل اتنے طویل عرصہ تک ہندوستان پر کسی بھی مسلم حکمراں نے حکومت نہیں کی، ۱۶۰۵ء میں ۶۳م سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا، وہ غیر معمولی ذہانت کا حامل تھا، مذہبی رواداری کا بڑا قائل تھااور بین المذاہب تعلقات ورشتوں اور غیر مسلموں سے شادی کا داعی ومحرک بھی، خود اس نے جے پور کی ہندو راجپوت جیارانی سے شادی کی، اپنے بیٹے جہانگیر سلیم کی شادی بھی اس نے ہندو جودھابائی سے کرائی، وہ پڑھا لکھا نہیں تھا اس کے باوجود اس نے علوم وفنون، صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت کو ترقی دی، اس نے تمام مذاہب کو ملا کر ایک خودساختہ مذاہب دین الٰہی کی بنیاد رکھی، اس کو ظل اللہ کہہ کر پکارا جاتا اور سجدہ تعظیمی کیا جاتا، اس نے مہابھارت، رامائن اور بھگوت گیتا کے فارسی ترجمے کرائے اور گائے ذبح کرنے پر پابندی لگائی، اس کی اس بدینی اور اسلام سے دوری وبدگمانی میں اس وقت کے درباری علماء کی غلط صحبت اور خوشامد وغیرہ کو بڑا دخل تھا، ان میں ملا مبارک کے دولڑکے ابوالفضل اور ابوالفیض فیضی وغیرہ سرفہرست تھے، مشہور بزرگ شیخ احمد سرہندی یعنی حضرت مجدالف ثانی اسی زمانہ کے تھے جنہوں نے بڑی حکمت کے ساتھ اس کے خودساختہ دین الٰہی کا مقابلہ کیا اور اس کی بیخ کنی میں اہم رول ادا کیا۔

جہانگیر:

۱۶۰۵ء میں اکبر کا برا بیٹا سلیم نورالدین جہانگیر حکمراں بنا، اس کا اصل نام شہزادگی میں سلیم تھا، وہ بڑا عالی حوصلہ، رحمدل اور علمی ذوق رکھنے والا بادشاہ تھا، اس کے روزنامچہ تزک جہانگری نے بڑی شہرت حاصل کی، اس نے کشمیر میں عمدہ سیرگاہیں بنوائیں، اس کی حکومت میں اس کی بیوی نور جہاں کا بڑا دخل تھا ۱۶۲۸ء میں اس کی وفات ہوئی اور لاہور میں اپنی بیوی نور جہاں کے باغ ''باغ دلکشا'' میں تدفین ہوئی۔

شاہ جہاں:

جہانگیر کے بعد اس کے بیٹے شہزادہ خرم یعنی شاہ جہاں نے اقتدار سنبھالا جس نے دہلی میں لال قلعہ اور جامع مسجد تعمیر کی اور اپنی بیوی ارجمند بانو ممتاز محل کی یاد میں آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے اس کی قبر پر اپنے استاذ عیسی شیرازی کی نگرانی میں بیس ہزار مزدوروں کے ذریعہ اس وقت کے تیس کروڑ روپئے خرچ کر کے سترہ سال کے وقفہ میں ۱۸۴۸ء میں دنیا کا سب سے بڑا خوبصورت فن تعمیر کا نمونہ تاج محل تعمیر کرایا، اسی میں بعد میں اس کو بھی دفن کیا گیا، اس کے علاوہ اس نے تخت طاؤس بھی بنایا تھا جس کو بنانے میں سات سال لگے تھے، اس وقت کے دو کروڑ روپئے کے ہیرے جواہرات اور موتی اس میں جڑے ہوئے تھے اور اس میں ڈھائی لاکھ مثقال سونا استعمال کیا گیا تھا، بعد میں یہ تخت نادرشاہ کے پاس چلا گیا۔

شاہ جہاں کے زمانے میں دکن، احمد نگر اور بیجا پور وغیرہ کا علاقہ سلطنت مغلیہ میں شامل کیا گیا، اس نے تیس سال حکومت کی، اس وقت اس کی حکومت مسلمانوں کی سب سے بڑی وسیع اور چین کے بعد دوسری بڑی عالمی حکومت تھی۔

اورنگ زیب عالمگیر:

شاہ جہاں کی بیماری کے بعد اس کے بیٹوں اورنگ زیب، داراشکوہ اور شجاع میں اقتدار کے لیے خانہ جنگی شروع ہوئی جس میں اورنگ زیب عالمگیر کو کامیابی حاصل ہوئی، داراشکوہ مارا گیا، ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب نے اقتدار سنبھالا اور اس کے بعد سیاسی مصلحت کے پیش نظر اپنے والد شاہ جہاں کو آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کردیا جہاں آٹھ سال کے بعد ۱۶۶۶ء میں اس کی وفات ہوئی، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ داراشکوہ بدمزاج، بددین اور بڑا بداخلاق تھا، شاہ جہاں اس کی

حمایت کر کے اسی کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، اورنگ زیب کے ساتھ شاہ جہاں کا رویہ جانبدارانہ اور ظالمانہ تھا، اس کے باوجود قلعہ میں نظر بندی کے دوران اس نے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا، حالانکہ شاہ جہاں اس کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کر چکا تھا، قلعہ میں اس کو ہر طرح کی آزادی تھی بلکہ بوقت ضرورت امور سلطنت میں اورنگ زیب اس سے مشورہ بھی کرتا تھا اورنگ زیب نہایت دین دار تھا، بیت المال سے اپنے ذاتی خرچ کے لیے بھی کوئی رقم نہیں لیتا تھا، ٹوپیاں سی کر اور قرآن مجید کی کتابت کر کے اپنا گزارہ کرتا تھا، وہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کا سب سے بہترین اور نیک بادشاہ تھا، اسی لیے غیر مسلم مؤرخین نے ہندوستانی تاریخ میں اس کو اسلام کے حوالہ سے بہت بدنام کیا اور اس پر ہندو رعایا کے ساتھ بدسلوکی کا الزام لگایا، حالانکہ سکھوں، شیواجی اور مرہٹوں کے ساتھ اس کی جنگ کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا؛ بلکہ وہ خالص سیاسی جنگیں تھیں، خود اسکی فوج میں اعلی مناصب پر ہندو فائز تھے، اس نے اپنی مملکت میں شراب اور جوئے پر پابندی لگادی تھی اور اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت چلانے کی کوشش کی تھی، دوسرے الفاظ میں اس نے ہندوستان میں خلافت راشدہ کے طرز پر اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کی، اس نے اکبر کے بعد سب سے طویل مدت یعنی اڑتالیس سال حکومت کی، اس کو اپنے زمانے میں پنجاب میں سکھوں اور دکن میں مرہٹوں کی بڑی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کی حکومت کا دائرہ آسام سے سندھ اور کشمیر سے کیرلا تک پھیلا ہوا تھا، اس کے انتقال کے وقت چین کے بعد پوری دنیا کی دوسری بڑی حکومت ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس تھی جس کی نظیر پوری تاریخ ہند میں اشوکہ کے بعد کسی کے زمانے میں نہیں ملتی، جس کا رقبہ کابل سے کنیا کماری تک پندرہ لاکھ مربع میل یعنی چوبیس لاکھ مربع کلو میٹر تھا اور آبادی بیس کروڑ کے قریب تھی اورنگ زیب بڑا علم پرور تھا، فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری کی تالیف اس کا سب سے بڑا علمی کارنامہ تھا، یہ کتاب اس نے ملک کے قابل علماء کے ذریعہ آٹھ سال میں لکھوائی اور پوری کتاب خود اس نے حرف بہ حرف پڑھوا کر سنی، اس نے وصیت کی تھی کہ ٹوپیاں سی کر اس نے جو چار روپئے دو آنے جمع کر رکھے ہیں اس میں سے اس کے کفن کا انتظام کیا جائے اور قرآن شریف کی کتابت کے جو روپئے جمع ہیں اس کو مسکینوں میں تقسیم کیا جائے، اس نے لکھنؤ میں ملا قطب الدین کو ایک بڑی عمارت ایک دینی مدرسہ کے لیے دی تھی جہاں سے ان کے فرزند ملا نظام الدین کا رائج کردہ درس نظامی آج برصغیر کے اکثر دینی مدارس میں رائج ہے، اس درس نظامی کی اکثر کتابیں بھی اورنگ زیب ہی کے زمانے میں لکھی گئی تھیں۔

اورنگ زیب بڑا خطاط بھی تھا، اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نمونے آج بھی موجود ہیں، اسی پر اس کا گزر بسر تھا، اس کی غیر معمولی دینداری میں حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم کی صحبت اور تربیت کا بڑا اثر تھا جن سے وہ بیعت بھی تھا، وہ ہمیشہ باوضو رہتا تھا، مسجد میں پہلی صف میں نماز ادا کرتا، پیر اور جمعرات کے روزے رکھتا، رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتا، وہ حافظ قرآن بھی تھا، ۴۳؍سال کی عمر میں بادشاہ بننے کے بعد اس نے حفظ شروع کیا اور ایک ہی سال میں حفظ مکمل کر لیا۔

دیگر مغل حکمران:

۱۷۰۷ء میں نوے سال کی عمر میں احمد نگر میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معظم شاہ عرف شاہ عالم بہادر شاہ اس کا جانشین ہوا، اس کے بھائی اعظم اور اس میں سلطنت کے لیے سخت لڑائی ہوئی جس میں اعظم مارا گیا، یہیں سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا اور مغل بادشاہوں کی حکمرانی برائے نام رہ گئی، شاہ عالم کا جانشین معز الدین جہاندار ہوا لیکن ایک ہی سال میں اس کے بھتیجے عظیم الشان کے لڑکے فرخ سیر نے ۱۷۱۲ء میں اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جہاندار کو قتل کر دیا، کچھ مدت کے بعد فرخ سیر بھی مارا گیا، اس کے بعد رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ نے تخت سنبھالا جس کے بعد اقتدار

محمد شاہ کے پاس آیا، اسی کے زمانے میں ۱۷۳۸ء میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے ہندوستان پرحملہ کردیا جس میں خون کی ندیاں بہیں، مغلیہ سلطنت کی چولیں ہل گئیں اور بہار، اڑیسہ، سندھ، دکن اور کشمیر وغیرہ میں الگ الگ خودمختار سلطنتیں قائم ہوئیں، مرہٹوں نے گجرات اورمہاراشٹر پرقبضہ کرلیا۔

۱۷۴۸ء میں محمد شاہ کی وفات ہوئی اوراس کا لڑکا احمد شاہ اس کا جانشین بنا لیکن پانچ سال کے بعداس کوتخت سے اتارکر معظم شاہ کے پوتے عالمگیر ثانی نے دہلی حکومت پرقبضہ کرلیا، ادھر افغانستان میں نادر شاہ کے بعداحمد شاہ ابدالی بادشاہ بنااوراس نے پنجاب پر قبضہ کرلیا، اس جنگ کے بعد احمد شاہ ابدالی افغانستان واپس چلا گیا، اور دہلی کی حکمرانی مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کے حوالے کی، جس نے بعد میں اودھ کے حاکم شجاع الدولہ کے ساتھ مل کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہے، شاہ عالم ثانی کے بعد اسکا لڑکا اکبر ثانی اس کا جانشین ہوا، جوانگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔

بهادر شاہ ظفر:

مغل خاندان کا آخری بادشاہ جوسوئے اتفاق سے ہندوستان میں اسلامی حکومت اور مغل یعنی تیمور سلطنت کا بھی آخری بادشاہ تھا اکبر ثانی کا لڑکا بہادر شاہ ظفر تھا، جو۱۸۳۷ء سے برائے نام دہلی کا بادشاہ تھا، اس کوانگریزوں کی طرف سے وظیفہ ملتا تھااوراسکی حکومت لال قلعے کی چہار دیواریوں تک محدود تھی، وہ ایک بہترین ادیب اور شاعر بھی تھا، اس کی شاعری میں مغلیہ سلطنت کے زوال اور حوادث زمانہ کی تشویش کشی ملتی ہے، اس کا مجموعہ کلام چار جلدوں میں ہے جس میں تیس ہزار سے زائد اشعار ہیں، بہادر شاہ ظفر کوانگریزوں نے گرفتار کرکے رنگون (برما) میں ۱۸۵۷ء میں قید کردیا، وہیں بڑی کسمپرسی کی حالت میں ۱۸۶۲ء میں اس کا انتقال ہوا، مزید برآں ان کومشہور شاعر ذوق اور غالب کی شاگردی حاصل تھی، اس کا مشہور شعر یہ تھا جو اس نے اپنی جلاوطنی اور کسمپرسی کی حالت میں کہا تھا۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دوگز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

اس کا مزار رنگون (برما) میں ہے، اس طرح مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہندوستان سے اسلامی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

احمدشاہ ابدالی کا دهلی پرحمله اور پانی پت کی جنگ:

۱۸۳۸ء میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے کابل، سندھ اور پشاور وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے جو اس وقت مغلیہ سلطنت میں شامل تھے لاہور کے راستے دہلی پر حملہ کیا اور تھانیسر مقام پر تین دن کے لیے مسلسل قتل عام میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں کوختم کیا، اس وقت دہلی پر محمد شاہ کی حکمرانی تھی، نادرشاہ پچاس کروڑ کی دولت لوٹ کر واپس ایران چلا گیا، اس کا مطلب مغلیہ سلطنت میں شامل کابل میں پناہ لینے والے افغانوں کو اس کے حوالہ نہ کرنے پر محمد شاہ کو سبق سکھانا تھا، ۱۸۴۷ء میں نادر شاہ کوقتل کرکے افغانستان پراحمد شاہ ابدالی قابض ہوا جس کے بعد اس نے ہندوستان کا رخ کیا اور چار بار شمالی ہندوستان پرحملہ کیا اور مغلوں سے پنجاب، سندھ اور کشمیر وغیرہ کے علاقے اپنے قبضے میں لے لیے، ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے ساتھ سخت جنگ ہوئی، جس میں مرہٹوں کوشکست ہوئی دو لاکھ مرہٹے مارے گئے، اس جنگ کو تاریخ میں پانی پت کی تیسری جنگ سے یاد کیا جاتا ہے، اس فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی نے پنجاب، سندھ اور کشمیر کو اپنی حکومت میں شامل کیا اور افغانستان واپس چلا گیا اور دہلی میں حکومت شاہ عالم ثانی کے سپرد کی۔

مرهٹوں کا عروج:

جنوبی ہند کے صوبہ مہاراشٹر کے مغربی گھاٹ میں بسنے والی ایک قوم کا نام مرہٹہ تھا جو دراصل ہندوقوموں میں سودر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور نسلی اعتبار سے دراوڑ تھے، یہ اصلا زراعت پیشہ تھے اور جنوبی ہند میں نظام شاہی یعنی احمد نگر اور عادل شاہی یعنی بیجاپور کے بادشاہوں کے پاس فوجی ملازمت کرتے تھے۔

سترہویں صدی کے اواخر میں مرہٹوں کے سردار شیواجی بھونسلے (پیدائش ۱۶۳۰ء میں) اپنی قوم کو ایک آزاد مرہٹہ ریاست کے لیے تیار کیا جب کہ اس سے قبل تک یہ غیر منظم تھے، یاد رہے کہ اس زمانے میں مرہٹوں کا پورا علاقہ سلطنت بیجاپور کے تابع تھا، شیواجی نے بیجاپور کے فوجدار افضل خان کو ختم کر کے جب شہرت حاصل کی تو مغل بادشاہ اورنگ زیب نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے دکن کے صوبہ دار شائستہ خان کو بھیجا، ۱۶۶۵ء میں ایک معاہدے کے بعد شیواجی نے اپنی کئی علاقے اورنگ زیب کے حوالے کئے بعد میں شیواجی کو قید کیا گیا لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے دوبارہ ویلور اور میسور کے کئی علاقوں پر قبضہ کیا، بعد میں اورنگ زیب نے بھی اس کی حکومت تسلیم کی، ۱۶۷۴ء عیسوی میں وہ باقاعدہ رائے گڑھ میں چھترپتی کے لقب سے تخت نشین ہوا، شیواجی کی وفات کے بعد ۱۷۰۷ء تک مغلوں کے ساتھ مرہٹوں کی کشمکش جاری رہی اور وہ ایک مستقل طاقت بن کر ابھرے، شیواجی بھونسلے کے انتقال کے بعد مرہٹوں کی قیادت ۱۷۰۷ء میں اس کے بیٹے سنبھاجی بھونسلے نے سنبھالی، اس کے بعد ان کا اقتدار بالاجی باجی راؤ کے پاس ۱۷۲۰ء تک رہا، یہی زمانہ پورے مرہٹہ تاریخ میں انتہائی سیاسی عروج کا تھا، مغلوں نے ۱۸۱۹ء میں دکن کے چھ صوبوں کے ٹیکس کی وصول کا حق مرہٹوں کو دیا، جس کے بعد مغلوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر مرہٹہ پیشوا بالاجی، وشوناتھ، گوالیار کے سندھیا، اندور کے ہولکر، بروڈہ کے گیکواڑ اور ناگپور کے بھونسلے جیسے راجاؤں کے ساتھ مل کر ایک عجیب مراہٹہ اتحاد قائم کیا اور نظام حیدرآباد کو شکست دیا مالوہ اور گجرات پنجاب وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے دہلی تک پہنچا، اس طرح مشرق میں اڑیسہ سے جنوب میں تامل ناڈو کے کئی علاقوں تک مرہٹوں کی حکومت قائم ہوگئی، یہاں تک کہ ۱۷۶۱ء میں افغانستان احمد شاہ ابدالی نے آکر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو تاریخی شکست دی، جس میں دو لاکھ مرہٹے مارے گئے اور یہی سے مرہٹوں کے سیاسی زوال کا آغاز ہوا، مرہٹوں نے انگریزوں کے خلاف سلطنت خداداد میسور یعنی سلطان ٹیپو شہید تیسری اور چوتھی جنگ میں انگریزوں کا ہی ساتھ دیا اور خود سلطنت خداداد کے خلاف بھی ان کی تنہا جنگیں ہوئیں۔

سکھوں کا عروج:

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں سکھوں کے ایک نوجوان رہنما رنجیت سنگھ نے صرف اٹھارہ سال کی عمر میں لاہور پر قبضہ کیا، اس وقت سنگھ کئی فرقوں میں بٹھے ہوئے تھے، اس نے اس سب کو متحد کیا اور امرتسر، ملتان، کشمیر، پشاور تک اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کیا، افغانستان کے بعض علاقے بھی اس کی سلطنت میں آگے، ۱۸۳۹ء میں اس کے انتقال کے بعد انگریزوں نے پنجاب کا یہ علاقہ سنگھوں سے چھین لیا، اس سلسلہ میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان چار جنگیں ہوئیں۔

❁❁❁

اقوال زریں

۱- ضرورت مند کی جائز حاجت پورا کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ (امام حسنؓ)

۲- ایسے کام کرنے سے پرہیز کرو جن پر عذرخواہی کی نوبت پہنچے۔ (یوسف اسباطؒ)

۳- جو آدمی دعائیں نہ مانگے وہ بدقسمت ہے اور اس کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ (بختیار کاکیؒ)

۴- مرد وہ ہے جس کا کردار اس کی گفتگو کے مطابق ہو۔ (سری سقطیؒ)

۵- اگر دشمن پر قدرت ہو جائے تو اس قدرت کا شکر اس طرح ادا کرو کہ دشمن کو معاف کر دو۔ (حضرت علیؓ)

۶- مصیبت یا خوشی کے وقت ناحق بات سے بچو اور حق بات پر ڈٹے رہو۔ (حسن بصریؒ)

﴿انتخاب: ماسٹر ظاہر حسن﴾

درس وحدت

کفر سازی کے کارخانے بند کیجئے!

مولانا ندیم الواجدی مدیر ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' دیوبند

ڈاکٹر ذاکر نائک کے خلاف فتوؤں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام نے تو صرف یہی کہا تھا کہ ان کی باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے، بریلوی حضرات نے تو انتہا کردی اور یہاں تک کہہ دیا کہ ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک روا رکھا جائے اور انہیں مسلم فرقے سے خارج کردیا جائے، یہ فتوی لکھنؤ کے کسی مفتی صاحب نے دیا ہے اور ابھی تک بریلوی مکتبہ فکر کے کسی عالم نے بھی اس کی تردید یا وضاحت نہیں کی ہے، موصوف نے اپنے فتوی میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ذاکر نائک کے پیش چینل پر پابندی لگائی جائے اور ان کو جو فنڈ مل رہا ہے اس کی جانچ کی جائے، فتوے میں ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کے ''گمراہ عقائد'' کا کوئی ذکر نہیں ہے جن کی بنیاد پر یہ فتوی جاری کیا گیا ہے، البتہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی تقریروں میں نوجوانوں کو دہشت گردی پر اکسا رہے ہیں اور اسامہ بن لادن کی حمایت کررہے ہیں، اس بحث سے قطع نظر کہ وہ ایسا کررہے ہیں یا نہیں سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا دونوں کاموں میں یا دو میں سے کسی ایک میں مشغول ہو تو کیا اسے دائرہ اسلام سے خارج کردیا جائے گا، اگر یہ الزام صحیح ہے تو قانون کو اپنا کام کرنا چاہئے نہ کہ مفتیان کرام کو۔

ڈاکٹر ذاکر نائک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غیر مسلموں میں دعوت دین کا کام کررہے ہیں، ان کا خاص موضوع ان شبہات واعتراضات کا جواب ہے جو اسلامی احکام کے تعلق سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ کتاب وسنت کی تعلیمات کو بڑے سائنٹفک انداز میں سمجھاتے اور مختلف مذاہب کا معروضی انداز میں مطالعہ کرتے ہیں، انہوں نے کئی عیسائی، یہودی اور ہندو علماء سے کامیاب مناظرے بھی کئے ہیں، ڈاکٹر ذاکر نائک کافی مدت سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں، شہرت اور عزت ان کے قدم چوم رہی ہے، وہ جہاں بھی جاتے ہیں ان کے جلسوں میں بھیڑ اکٹھی ہوجاتی ہے، کچھ عرصے سے اہل علم کو ان سے یہ شکایت پیدا ہو رہی ہے کہ وہ شرعی احکام میں آزادروی کی ہمت افزائی کررہے ہیں اور بہت سے مسائل میں وہ موقف اختیار کررہے ہیں جو فقہا بالخصوص فقہائے احناف کے خلاف ہے، کبھی کبھی وہ غیر ضروری بحثوں میں بھی الجھ جاتے ہیں، مثلاً یزید کو رضی اللہ عنہ کہنے یا نہ کہنے کی بحث ایسی ہے کہ اس میں نہ پڑنا ہی اچھا ہے بلکہ اس کو اللہ کی حکمت اور مشیت کے حوالے کردینا ہی بہتر ہے، آخر یزید کو رضی اللہ عنہ کہنا یا نہ کہنے پر دین کا کونسا کام موقوف ہے، شیعہ حضرات ان سے اسی لیے خفا ہیں کہ انہوں نے اپنی تقریروں میں یزید کو رضی اللہ عنہ کہہ دیا، ڈاکٹر ذاکر صاحب دین کے جس اہم اور وقیع کام میں لگے ہوئے ہیں وہ بالکل منفرد ہے اور اس کام میں کوئی ان کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا، کتنا اچھا ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب اپنے موضوع کے اندر ہی محدود رہتے، یہ موضوع بھی بہت وسیع ہے، اور اس میں ذہن وفکر کی جولان گاہ بننے کی بڑی گنجائش ہے، دعوتی کام کرنے والوں کے لیے مسلکی اختلافات سے تعلق رکھنے والے موضوعات کو نہ چھیڑنا ہی بہتر ہے، وہ جب تک اپنے موضوع کی قید میں رہے علماء نے ان کو سراہا اور جیسے ہی وہ اس قید سے باہر نکلے

بہت سے لوگوں نے ان کی اس عمل کو فقہی مسائل اور تفسیری مباحث میں غیر ضروری مداخلت قرار دیتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس طرح کے مسائل میں ڈاکٹر صاحب کو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ ان علماء کا کام ہے جو شریعت کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور جن کی کتاب وسنت پر گہری نظر ہے۔

مثال کے طور پر ڈاکٹر صاحب قرآن کریم کو بلا وضو چھونے کے قائل ہیں، جب کہ جمہور فقہاء کرام نے قرآن کریم کو وضو کے بغیر چھونے اور ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دی ہے، اور قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:" لا یمسه الا المطهرون"(الواقعہ ۷۹) ''نہ چھوئیں اس کو مگر پاک لوگ''۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کے اس صریح حکم کے خلاف یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر وضو کے بغیر قرآن کریم کو ہاتھ لگانے سے منع کر دیا جائے تو اس سے دعوت دین کے کام میں خلل پیدا ہوگا، کیونکہ اس طرح غیر مسلموں کو قرآن پاک کے نسخے نہیں دیئے جا سکیں گے، اگر ذاکر صاحب فقہی مسائل کا مزاج سمجھنے والے ہوتے تو ان کی زبان وقلم سے کبھی یہ بات نہ نکلتی؛ کیونکہ شرعی احکام کے مکلّف صرف مسلمان ہوتے ہیں غیر مسلم پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے وہ وضو کے بغیر بھی قرآن کریم کو ہاتھ لگا سکتا ہے، ان کی تقریروں کا جو مجموعہ چھپا ہے اس میں بعض آیات کی تفسیر میں انہوں نے جو اجتہاد کیا ہے وہ قرآن وحدیث سے میل نہیں کھاتا، ضرورت ہے کہ ڈاکٹر صاحب قرآن وسنت کی تشریح میں صحابہ وتابعین اور مفسرین ومحدثین کے نظریات کو سامنے رکھیں اور اگر کسی جگہ انہیں تسلی وتشفی نہ ہو تو وہ اکابر علماء سے دریافت کریں، ہم نے ان سے زبانی بھی اور تحریری بھی یہ درخواست کی ہے کہ وہ اپنے موضوع سے وابستہ رہیں، شرعی احکام کی تشریح کا کام علماء پر چھوڑ دیں، ہمیں نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب ہماری اس درخواست پر کان دھریں گے یا نہیں، تاہم ان کے نظریات وخیالات کی وجہ سے انہیں دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

سرسید احمد خاں مرحوم کے خلاف بھی ایک موقع پر بڑا طوفان برپا ہوا تھا، ڈپٹی امداد علی اکبرآبادی اور علی بخش بدایونی نے مولانا عبدالحئی فرنگی محلی اور مفتی سعداللہ مرادآبادی سے سرسید احمد خاں کے خلاف کفر کا فتوی حاصل کیا تھا، جس کی وجہ سے پورے ملک میں سرسید کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اس ہنگامے سے خوش نہیں تھے، بلکہ یہ چاہتے تھے کہ سرسید کو سمجھانے کی کوشش کی جانی چاہئے، اس سلسلہ میں دونوں حضرات کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی وہ ''تصفیہ العقائد'' کے نام سے چھپ چکی ہے، حضرت نانوتوی نے کہیں بھی سرسید احمد خاں مرحوم کو کافر فاسق نہیں لکھا، اس کے بجائے صرف اتنا فرمایا '' میں سید صاحب کی اولوالعزموں اور دردِ دل سوزی اہل اسلام کو سن سن کر ان کی شاکی ہوں اور ان کی طرف سے رنجیدہ خاطر ہوں''۔(تصفیۃ العقائد صفحہ ۵)

اصل میں مسلمانوں کے اندر ایک طبقہ ہمیشہ سے ایسا رہا ہے جو اپنے مخالفین کو فکری محاذ پر زیر کرنے کے بجائے بیک جنبش قلم اسلام سے خارج کر دینے ہی کو دین کی خدمت سمجھتا ہے، غیر منقسم ہندوستان کی ایسی کون سی قابل ذکر ہستی ہے جیسے کافر قرار نہیں دیا گیا، اس طبقے کی کفر سازی کا دائرہ اسلام علماء دیوبند تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعہ دنیا بھر کے اہل علم کو کافر اور مرتد قرار دینا ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کر سکتا، اس طبقے کی کتابیں تکفیری فتوؤں سے بھری پڑی ہیں کوئی بھی دیکھ سکتا ہے، ان لوگوں کے تکفیری فتوؤں کو دیکھ کر شاعر انقلاب مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے یہ قطعہ کہا ؎

جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انعکاس وانعطاف
مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانان ہند
ہے وہ کافر جس کو ہو ان سے ذرا بھی اختلاف

آج اسی راستے پر ان کے اخلاف گام زن ہیں اور وہ بھی اپنے پیش روؤں کی طرح جسے چاہیں، جب چاہیں، مرتد اور کافر کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ بہت اہم اور نازک معاملہ ہے، کسی کو کافر اور مرتد کہنے سے پہلے آدمی کو اللہ سے ڈرنا چاہئے، حدیث شریف میں ہے: "لا یرمی رجل رجلاً بالفسق والکفر الا ردت علیه إن لم یکن صاحبه کذلك" (البخاری) کوئی آدمی کسی کو کافر و فاسق نہ کہے اگر اس میں کفر و فسق کی بات نہ پائی گئی تو وہ کلمہ کفر اس کی طرف لوٹے گا، ایک روایت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو کلام تمہارے بھائی کی زبان سے نکلے جب تک اس کلام کا اچھا مطلب نکل سکتا ہو اس وقت تک اس کو باطل پر محمول کرنے کی کوشش نہ کرو"۔ (درمنثور)

فقہ کی کتابوں میں بطور قاعدہ کلیہ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ "ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی والقاضی أن یعمل بالاحتمال الثانی" (شرح فقه اکبر صفحه ۱۹۹) جو مسئلہ کفر سے متعلق ہو اگر اس میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال کفر کی نفی کرتا ہو تو مفتی اور قاضی کو چاہئے کہ وہ احتمال ثانی پر عمل کرے"۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "کہ اگر کسی کلام میں ننانوے محمل کفر کے ہوں اور صرف ایک محمل ایمان کا ہو تو اس پر ایمان ہی کا حکم لگایا جائے گا نہ کہ کفر کا؛ کیونکہ ایمان کا کم از کم ایک احتمال تو یہ ہے کہ معیار تکفیر کے لیے مقرر کیا گیا ہے کہ ایمان کے ادنی سے ادنی کے ہوتے ہوئے کسی کی تکفیر نہ کریں۔

حدیث کی کتابوں میں حضرت اسامہ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے میدان جنگ میں ایک دشمن پر حملہ کیا تو اس نے فوراً ایک ہی کلمہ "لاالٰہ الااللّٰہ" پڑھ دیا، اس کا خیال تھا کہ شاید حضرت اسامہ کلمہ پڑھنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیں گے اور قتل نہ کریں گے، مگر حضرت اسامہ نے اسے قتل کر دیا، جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت اسامہ سے فرمایا کہ تم نے لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص نے فلاں کو قتل کیا تھا اور جب میں اس کی طرف لپکا تو اس نے جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھ دیا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے صدق دل سے کلمہ پڑھا تھا یا خوف سے، یہ بھی فرمایا کہ جب قیامت کے روز کلمہ توحید مدعی بن کر تمہارے سامنے آئے گا تو اس وقت تمہارا کیا جواب ہو گا، حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول! میرے لیے مغفرت کی دعا کیجئے، اس کے جواب میں آپ یہی فرماتے رہے، حضرت اسامہ کہتے تھے کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سن کر تمنا کی کہ کاش میں آج ہی اسلام لایا ہوتا کہ میرا اسلام اس گناہ کو ختم کر دیتا۔ (مسلم جلد ا صفحہ ۶۸ / بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۲)

ہمارے اکابر علماء کفر کا فتوی دینے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہ نے تو یہ اصول مقرر فرمایا: "لاتکفر اهل القبلة" (شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۰۰) ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے، ان کا ارشاد تھا کہ جب تک کوئی شخص ضروریات دین (توحید و رسالت وغیرہ) منکر نہ ہو اس وقت تک وہ شخص کافر نہیں ہوسکتا، حکیم الامت حضرت تھانوی نے فرمایا: "کافر بڑا سخت لفظ ہے اس میں بڑی احتیاط چاہئے، کسی کو کافر اسی وقت کہہ سکتے ہیں جب وہ کوئی ایسا فعل کرتا ہو جو محتمل تاویل نہ ہو، مثلاً کوئی شخص بت پرستی بلا اکراہ کھلم کھلا کرتا ہو تو اس وقت اس کو کافر کہہ سکتے ہیں، جب کوئی ایسا شخص بت پرستی سے نفرت رکھتا ہے، زبان سے کلمہ پڑھتا ہے، تو اس کی تکذیب کرنا اور کافر کہنا کیا معنی؟ (الاسلام الحقیقی صفحہ ۴۵۴)

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ صاحب مذہب مجتہد تھے، مگر اس معاملے میں ان کے یہاں غایت درجہ احتیاط پر عمل تھا اور کھلم کھلا یہ کہتا ہے کہ کوئی کافر دوزخ میں نہیں جائے گا، آپ نے اپنے تلامذہ

سے ان کی رائے معلوم کی، سب نے بیک زباں ہوکر یہی کہا کہ ایسا شخص کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی نص صریح کا انکار کررہا ہے، قرآن کریم میں صاف آیا ہے کہ کفار دوزخ میں جائیں گے اور یہ شخص کہتا ہے کہ کوئی کافر دوزخ میں نہیں جائے گا، حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اس شخص کے قول کے ظاہری معنی تو یہی ہیں مگر اس میں تاویل بھی تو کی جاسکتی ہے کہ اس کا یہ کہنا کہ کوئی کافر دوزخ میں نہیں جائے گا'' اس کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ کوئی شخص دوزخ میں جاتے ہوئے کافر نہ رہے گا، کیونکہ قیامت کے دن کفار پر بھی حق ظاہر ہوجائیگا، اس وقت وہ لوگ بھی انبیاء کی تصدیق کریں گے اور دوزخ، جنت کے وجود کو بھی تسلیم کریں گے، اس وقت وہ منکر نہ رہے گا، اس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ دوزخ میں جانے والا منکر اور کافر نہ ہوگا یہ اور بات ہے کہ اس وقت کا ایمان نفع نہ دے گا، دیکھئے امام صاحب نے کس قدر احتیاط کی، حالانکہ وہ صریح کلمہ کفر کہہ رہا تھا۔ (الاسلام الحقیقی صفحہ ۴۵۶)

ایک طرف تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی یہ احتیاط کہ صریح کلمہ کفر میں بھی تاویل تلاش کرتے، دوسری طرف ان کے مذہب پر چلنے کا دعوی کرنے والوں کا یہ حال کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے مخالفین کی تقریروں اور تحریروں میں وہ باتیں تلاش کرتے ہیں جن میں ذرا بھی کفر وشرک کا احتمال مل جائے اور انہیں کفر کا فتوی داغنے کا موقع حاصل ہوجائے، خدا کے فضل وکرم سے ہمارے اکابر حضرت امام ابوحنیفہ کے اس اصول پر پوری طرح کاربند تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی نے اپنا یہ معمول بیان فرمایا ہے کہ ''میرے پاس بہت سے فتوے آتے ہیں لوگ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ کلمہ کہا ہے کہ اس میں کفر ہوا یانہیں، میں اکثر یہ جواب دے دیتا ہوں کہ یہ کلمہ گستاخی کا ہے، یہ شخص بہت بے ادب ہے اس نے بڑا گناہ کیا مگر کفر نہیں، کفر کا نام لیتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی کو کافر کہنا حق تعالی کی رحمت سے بالکل نکال دینا ہے، اور حق تعالی کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ (الاسلام الحقیقی صفحہ ۴۵۸)

ایک مرتبہ مجلس میں کسی شخص نے کہا کہ (بریلوی) ہمیں کافر کہتے ہیں ہم بھی کیوں نہ انہیں کافر کہا کریں، حضرت تھانویؒ نے ان سے سوال کیا کہ کافر کہنے کی وجہ ہوتی ہے آپ کے نزدیک ان کے کفر کی وجہ کیا ہے؟ ان صاحب نے بہت سی وجوہات پیش کیں، حضرت نے سب ہی کی تاویل کی، کسی شخص نے یہ بھی سوال کیا کہ کیا ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں فرمایا ہاں پڑھ سکتے ہیں۔ (کمالات اشرفیہ صفحہ ۳۸۴)

دوسری طرف یہ حال ہے کہ اگر کوئی دیوبندی عالم کسی بریلوی میت کی نماز جنازہ پڑھا دیتا ہے تو نماز دہرائی جاتی ہے اور جن لوگوں نے نماز پڑھی تھی ان سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کے لیے کہا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ مناسب ہے، اس وقت ملت جس صورت حالت سے گزر رہی ہے اس میں غیروں کو اپنا بنانے کی ضرورت ہے، یا اپنوں کو غیر بنانے کی؟ آج دنیا بھر میں اسلام ایک نظام زندگی کے طور پر ہر مذہب کے لوگوں میں مقبول ہورہا ہے اور اللہ نے جن کی قسمت میں خیر وسعادت لکھ دی ہے وہ فوج درفوج دائرہ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، بہت سے اللہ کے نیک اور مخلص بندے دعوت دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، دوسری طرف ہم ہی میں سے کچھ لوگ کفر ساز کارخانے کھولے بیٹھے ہیں اور جو اللہ کے دین میں داخل ہیں ان کو کافر بنانے کا کام کررہے ہیں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اس طرز فکر پر نظر ثانی کریں، اختلاف کی گنجائش ہے اور علمی امور میں اختلاف ہوسکتا ہے اس کو علمی انداز ہی سے حل کرنے کی ضرورت ہے نہ کی فسق وفجور اور کفر وشرک کے فتوے داغ کر۔ (بشکریہ ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'')

/////☆☆☆/////

Files\A004.TIF not found.

جائزہ

فتنۂ نیو ورلڈ آرڈر اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد حذیفہ غلام محمد وستانوی، استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن تعلیمات کو لے کر مبعوث کئے گئے وہ ایسی ہمہ گیر اور کامل ومکمل ہے کہ رہتی دنیا تک اس سے رہنمائی ملتی رہے گی، زمانہ چاہے کتنا ہی ترقی کیوں نہ کر جائے مگر وہ تعلیمات نبویہ سے دست بردار نہیں ہوسکتا، کیوں کہ قرآن کا اعلان ہے: "الیوم اکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دینا" میں نے آج تمہارے دین کو کامل ومکمل کر دیا اور میری نعمت کو تم پر تام کر دیا اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کرلیا۔

اس آیت کریمہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ قرآن نے دو جملے استعمال کیے ہیں:

(۱) اکمالِ دین (۲) اتمامِ نعمت۔

بظاہر دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اکمال دین کا جملہ لاکر بنی آدم کو صاف الفاظ میں خبر دے دی کہ اس دین کے آنے کے بعد تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو چکے ہیں، کیونکہ بقیہ زمانہ میں جو شریعتیں اللہ کی جانب سے انبیاء سابقین کے ذریعہ بنی نوع انسانی پر نازل کی گئی تھی وہ اس زمانہ کے لحاظ تھیں، مگر نبی آخر الزماں احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت دی گئی وہ صرف ان کے زمانہ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ایسی کامل ومکمل ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ کے رضا جوئی والی راہ جاننے کے لیے کافی اور وافی ہے۔

دوسرا جملہ "اتممت علیکم نعمتی" یعنی تم پر میں اپنی نعمت کو مکمل کر چکا ہوں، تو ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد نعمت رسالت ہو، یعنی اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بندوں کو یہ بتانا ہو کہ اسلام جو مادہ پرستی کے دور میں انسان کے لیے شاق معلوم ہوگا، اس کے عاشق شر ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں ہے بل کہ اسلام اللہ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے، جس میں اعتدال ہی اعتدال ہے، لہٰذا ضرورت زمانہ کے نام سے کسی طرح کی تحریف وتغیر کا حامل نہیں ہوسکتا، بلکہ قیامت تک قرآن وحدیث کے بیان کردہ خطوط و اصول پر قائم رہے گا، غرضیکہ ہم ربیع الاول کی مناسبت سے نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے دنیا میں برپا کئے جانے والے فتنے کا تعاقب کرتے ہوئے اس مضمون میں یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ نیو ورلڈ آرڈر کے مطالبات کیا ہیں اور اسلام میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس کا حل کیا ہے، امید ہے کہ بصیرت سے پڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ آمین یارب العالمین

نیوورلڈ آرڈر:

۱۸۹۷ء کی سال یہودیوں نے اپنی ایک کانفریس میں نیا عالمی نظام New World Order کا تخیل گیارھویں اور انیسویں باب میں پیش کیا، اور اس کی تشکیل کی پہلی کوشش ۱۹۱۷ء میں کی گئی، جب امریکی صدر ولسن کے مشیر کرنل مناڈبل ہاؤس نے اقوام متحدہ (لیگ آف نیشنز) کا خاکہ ولسن کے سامنے پیش کیا، اگر چہ اس وقت یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ "امریکی مقتدر اعلیٰ کسی تنظیم کے تابع نہیں رہ سکتا" ایسا اس

لیے ہوا کہ یہود اب تک اپنا اثر ورسوخ امریکی اداروں پر قائم نہیں کر سکے تھے، مگر پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب اقتدار تک پہنچ کر ہی کچھ کام بن سکے گا، لہٰذا اس کے لیے وہ سرگرم ہو گئے، اور ۱۹۴۱ء کے آنے تک وہ تمام امریکی حکومتی اداروں پر حاوی ہو گئے، یہاں تک کہ یکم جنوری ۱۹۴۲ء کے آنے تک اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آ گیا، اور یہیں سے نیو ورلڈ آرڈر کی بنیاد پڑ گئی، اور پھر اس شر انگیز فتنہ نے دنیا میں کیا خلفشار پھیلایا؟ حالات اس کے گواہ ہے کہ پوری دنیا برائی کی جہنم میں ڈھکیل دی گئی، اور ظاہری و باطنی سکون دنیا سے عنقا ہو گیا، لہٰذا جب تک "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة" پر عمل درآمد شروع نہیں ہو جاتا، امن اور خیر کی فضائیں قائم ہو ہی نہیں سکتی۔

نئے عالمی نظام کے عناصر ترکیبیہ امن کی راہ میں اصل رکاوٹ:

دنیا کے حالات دیکھ کر آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دہشت مٹانے کے نام پر پوری دنیا میں کون دہشت گردی برپا کئے ہوئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ امریکہ اور اس کے ہم نوا ہی ہے اور کیوں نہ ہوں؟ امریکہ کی بنیاد ہی سوملین ریڈ انڈین کے قتل ناحق پر پڑی! اور پھر وقفہ وقفہ سے انسانی خون ہی کے ذریعہ اس کی بنیادوں کو مضبوط کیا گیا ہے، اور آج اس کی اس تعمیر کے بعد اس آہنی بقاء کے لیے بھی اس کو انسانی ناحق خون ہی درکار ہے! مگر امریکہ یہ بھول چکا ہے، کہ دیر آید درست آید، اللہ کا عذاب بغتۃً اچانک آتا ہے، اور جب آ جائے گا "ولا یجدون لهم من دون الله ولیاً و لا نصیرا" اور اللہ کا قانون ہے "وما للظالمین من انصار" ظالمین کا کوئی مددگار نہ ہوگا، نئے عالمی نظام کی ماں چونکہ امریکہ بن کر بیٹھا ہوا ہے، لہٰذا مختصراً اس محرک کا ذکر ضروری تھا جو کر دیا گیا۔

نئے عالمی نظام کے عناصر ترکیبیہ:

نئے عالمی نظام کے عناصر ترکیبیہ تو بہت سارے ہیں، مگر امتِ مسلمہ پر جن عناصر کے ذریعہ ظلم کیا جا رہا ہے صرف انہیں کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے، عالمگیریت (Globlisation) جس کا مطلب عمومی طور پر پوری دنیا کو ایک ہی نظام کے تحت کرنا ہے، یعنی معاشی، تعلیمی، اخلاقی، تہذیبی، ہر چیز میں مغرب کا مقلد محض کر دینا، خاص طور پر عالمِ اسلام کو، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر ہمارا کوئی ہمسر اور مدمقابل ہے تو وہ اسلام ہی ہے، کیوں کہ مغربیت اور اسلامیت میں تضاد ہے، اس لیے کہ مغرب مادہ پرست ہے اور اسلام خدا پرست ہے، یعنی ہر امر میں اللہ کی بات کی پیروی کا مجاز ہے چاہے جو ہو جائے۔

عالمگیریت کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے مغرب نے ابلاغ عامہ یعنی میڈیا پر چاہے وہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک اجارہ داری اور کنٹرول حاصل کر رکھا ہے اور امریکہ کی جانب سے I.M.F. اسٹاک مارکٹوں اور کریڈیٹ کارڈ کے اجرا کے ذریعہ پوری دنیا کے مالی نظام پر شکنجہ کسا جا رہا ہے، تہذیبی کنٹرول کے نام پر پوری دنیا کو برگر اور جینیز فیملی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، آزاد مارکٹنگ کے نام پر پوری دنیا کو ملٹی نیشنل کمپنیوں کے جکڑ میں دے کر غربت میں اضافہ کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔

جمہوریت:

جمہوریت کے خوش نما نعرے کے ذریعہ سیاسی طور پر پوری دنیا پر اپنی بالادستی قائم کی جا رہی ہے، خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں کو اس کا شکار بنایا جا رہا ہے، افغانستان، عراق، الجزائر، فلسطین، پاکستان، انڈونیشیا، لبنان، وغیرہ پر جمہوریت کے نام پر اسلام کا صفایا، اور مغرب کے تسلط کی کوشش کی جا رہی ہے، جہاں کہیں اسلام جمہوریت کے راستے کامیاب ہو کر اقتدار پر آیا، ان یورپین ظالموں نے اس کی مخالفت کی مثلاً: فلسطین، مصر، الجزائر، وغیرہ کے حالات سے ان کی جمہوریت کے نام پر اسلام دشمنی عیاں ہے: "اللّٰهم خذهم أخذ عزیزٍ مقتدر، اللهم فرق جمعهم، و خالف بین کلمتهم، و اجعل کیدهم، فی تضلیل آمین یا رب العالمین"۔

خاندانی منصوبہ بندی:

خاندانی منصوبہ بندی کے لیے تمام ممالک اور خاص طور پر اسلامی

ممالک میں سروے کر کے یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ افراد اگر تیزی کے ساتھ بڑھتے رہے تو وسائل کم ہونے سے مسائل بڑھ جائیں گے، حالاں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ صرف مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کرنے کی منصوبہ اور سازش ہے "و مکروا و مکر الله، والله خير الماكرين"۔

طاقت کا استعمال:

گلوبلائزیشن کے علمبردار امریکہ کا نظریہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی تحریک امریکہ کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتی ہو، یا امریکہ کو ایسا محسوس ہو، تو وہ بلا کسی روک ٹوک کے اس پر حملہ کرنے اور طاقت کا بے جا استعمال کرنے سے نہیں ہچکچائے گا، چاہے پوری دنیا اس کی مخالفت کرے۔

ٹیکنالوجی:

امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ٹیکنالوجی خاص طور پر Hi-tech کمپیوٹر ٹیکنالوجی پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے، تاکہ یورپ کی نیوکلیائی بالا دستی قائم رہ سکے، خاص طور پر مسلمانوں کو نیوکلیائی طاقت بننے سے روکنا امریکہ کی اولین ترجیح ہے، جس کے شواہد افغانستان، عراق، وغیرہ پر حملہ اور پاکستان و دیگر اسلامی ممالک کو ڈراتے اور دھمکاتے رہنے سے لگایا جا سکتا ہے۔

خواتین کی آزادی:

آزادیٔ نسواں کے نام سے ۱۹۱۹ء میں باقاعدہ ایک تحریک کھڑی کی گئی جس نے خاندانی سسٹم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، این جی اور خاص طور پر رفاہی اور تعلیمی خدمات کے نام پر اس میں بڑا رول ادا کر رہے ہیں، اسلامی ملکوں میں یہ لوگ بہت سرگرم عمل ہے، جس کے نتیجہ میں ماڈل لڑکیوں کا کاروبار زور پر ہے۔

اباحیت کا فروغ:

نیو ورلڈ آرڈر کا یہ ایک اہم ترین حصہ ہے جس میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پوری دنیا میں بے حیائی اور بے راہ روی کو فروغ دیا جا رہا ہے، مثلاً ویلین ٹائن ڈے، روز ڈے، کلچر ڈے، اور ایسے بے شمار ڈیز اسی طرح ناچ گانا اور شراب کو عام کرنے کے لیے Holywood اور Bolywood جیسی فلم انڈسٹریاں ٹی وی سریلز، ویڈیو، فوٹو، کلپ آرٹس اور اب تو موبائل نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی، کھیل کود کو خوب عام کیا جا رہا ہے، مثلاً کرکٹ، ٹینس، فٹ بال، ہاکی وغیرہ جس میں ایک طبقہ کھیلنے میں اور ایک طبقہ اسے دیکھنے میں اور تبصرے کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہے اور فرائض واجبات سے بے اعتنائی برت رہا ہے۔ اللہ اللّٰھم احفظنا!

نصاب تعلیم:

امریکہ پورے دنیا کے سرکاری نصاب تعلیم پر نظر رکھتا ہے اور اس میں ایسے نظریات شامل کرواتا ہے جس سے بچہ بچپن ہی سے مذہب سے متنفر ہو جائے، نظریۂ ڈارون، نظریۂ فرائیڈ وغیرہ کو خوب اہمیت دی جاتی ہے، حالاں کہ یہ تمام نظریات خود مغربی و روسی سائنس دانوں کے ہاتھ اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں، مگر عمداً اس پر پردہ ڈالا جا رہا ہے تاکہ مسلمان خاص طور پر دین سے بیزار رہے۔

اسلام مخالف فرقوں کا تعاون:

پچھلے دو سو سال سے امت کو داخلی انتشار سے دوچار کرنے کے لیے نئے فرقے کھڑا کرنا اور یہود و نصاریٰ کا ان کو مالی تعاون کرنا کسی سے پوشیدہ نہیں، مگر اب تو اس حرکت کو بھی تیز کر دیا گیا ہے، قادیانیت، بہائیت، موڈرن اسلام، سیکولر اسلام، نیا اسلام، جیسے بے شمار فرقے دنیا کے مختلف خطوں میں خاص طور پر اسلامی اقلیتی ممالک میں کھڑا کرنا اور اس کا ہر اعتبار سے تعاون کرنا بالکل عیاں ہے۔

ان حالات میں اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ و سلم:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة" تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے، تو آیئے ہم اس پُرفتن دور میں ہمارے لیے اسوۂ حسنہ کیا ہو؟ جاننے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ہمیں دنیا و آخرت میں اللہ کی رضا

حاصل ہوجائے، اور ہم کامیاب لوگوں میں سے ہوجائیں۔

دور حاضر اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم :

قبل اس کے کہ ہم آپ کے سامنے کچھ تجاویز سیرت کی روشنی میں بیان کریں، دور حاضر میں نیو ورلڈ آرڈر کے مفہوم کے بارے میں سیرت کے آئینہ میں مختصر روشنی ڈالنا چاہیں گے۔

تجدید نظام عالم :

نئے عالمی نظام کی اصطلاح جس کو ہم تجدید کہہ سکتے ہیں، اس وقت متصور ہوگی، جب دنیا میں کوئی ایسی چیز وجود میں آئے، جس سے دنیا اپنی ہیئت اولیٰ کی طرف لوٹ جائے یعنی جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے، اس وقت جو حالات تھے کہ زمین خیر سے مالا مال تھی اور شر نہ ہونے کے برابر تھا اور دنیا کی یہ کیفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی تھی، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان الدنیا قد استدار کھیئھتہ یوم خلق السموات و الارض" یعنی دنیا اپنی ہیئت اولیٰ کی طرح لوٹ چکی ہے، جس دن اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا یعنی دنیا جس کی بنا توحید پر ہوئی تھی، ایک بار پھر توحید کی جانب رواں دواں ہے اور فتنے اور شرارتیں جو تخلیق کے بعد عروج پر تھے، اب روز بروز زوال پذیر ہورہے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اصلاً نئے نظام کا آغاز ہوا ہے نہ کہ ۱۹۴۲ء سے جو ۱۹۴۲ء کے بعد نظام نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے وجود میں آیا، وہ شیطانیت کے احیاء کے علاوہ کچھ بھی نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایسی راہ دیکھائی جو جہنم سے نجات دے کر جنت کی طرف لے جائے اور یہود جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم کا جھنڈا دیا جائے گا، وہ دنیا کو جہنم کی طرف لے ہی نہیں جارہے، بلکہ دنیا کو بھی جہنم بنا کر رکھ دیا" اللّٰہ یدعوالی الجنۃ والمغفرۃ باذنہ والرسول یدعوکم"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کردیا کہ: بلاشبہ جاہلیت کا ہر خون اور مال و منصب و عہدہ قیامت تک میرے دونوں پیروں کے نیچے پامال ہے، یعنی اب قیامت تک کوئی دوسرا مذہب اور سلطنت مکمل طور پر ابدیت کے ساتھ اسلام کے آنے کے بعد استقرار نہیں پکڑسکتی، اور الحمدللہ ایسا ہو بھی رہا ہے۔

دورحاضر اور اسوۂ نبوی :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اپنی وفات حسرت آیات سے قبل چند وصیتیں کی تھی جس میں اہم یہ ہے: "ترکت فیکم امرین ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابدا کتاب اللہ و سنتی" میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑ جارہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

لہٰذا ہمیں کتاب اللہ کو پڑھنے پڑھانے سمجھنے اور سمجھانے اور اس پر عمل کرنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، جس سے امت بڑی غفلت میں مبتلا ہے۔

علامہ اقبال نے امت کے حالات کو دیکھ کر تقریباً اسی نوے سال پہلے کہا تھا: ؎

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تاریک قرآں ہوکر

دوسری چیز سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس نے اسلام کی صحیح تعلیمات کی حفاظت میں اہم رول ادا کیا، جس کی بدولت تدوین حدیث تدوین اصول فقہ، تدوین تاریخ، تدوین علم کلام، تدوین علوم القرآن، تدوین علوم حدیث، جیسے اہم علوم وجود میں آئے اور قرآن کے معانی کی مکمل حفاظت ہوگئی اور جس نے وحی الٰہی کو عملی نمونے کے طور پر پیش کیا ابن العربی کے مطابق سات سو سے زائد علوم، حدیث کے برکت سے وجود میں آئے۔

مادہ پرستی سے چھٹکارہ کیسے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أکثروا ذکرَ ھاذم اللذات اعنی الموت" لذتوں کو فنا کرنے والی چیز، موت کو خوب یاد کرو، اس سے معلوم ہوا کہ مادہ پرستی (یعنی دنیا اور اس کی فانی نعمتیں)

جس کا دورِ حاضر میں دور دورہ ہے، اور نیو ورلڈ آرڈر میں دنیا کو اسی مادہ پرستی کی جانب ڈھکیلنے کے لیے اپنی کوششوں کو تیز کر رکھا ہے، لہٰذا مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے پیشِ نظر موت اور مابعد موت کی زندگی کو کثرت سے یاد کریں، تا کہ مادیت سے ذہن ہٹ کر ربانیت اور للّٰہیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

سنت پر عمل کا مفھوم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اس درجہ تک اپنے دل میں پیدا کریں کہ ہر چیز سے زیادہ محبت آپ سے ہو جائے قرآن کا اعلان: "قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله" اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اسی کی شرح کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من ماله وولده والناس اجمعين" تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے مال، اولاد، ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک روایت میں ہے: "ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان ان يكون الله ورسوله احب اليه بما سواهما وان يحب المرء لا يحبه الا لله وان يكره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف في النار"۔

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ کمال ایمان کے لئے یہ تین چیزیں ضروری قرار دی گئی ہے، اس لیے کے جب آدمی غور کرے گا کہ نعمتوں کا دینے والا کون ہے، تو ظاہر ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ نعمتوں کا دینے والا اللہ ہے، لہٰذا اسی سے محبت کرنی چاہئے اور نعمتوں میں سب بڑی نعمت قرآن اور اسلام ہے اور قرآن اور اسلام کو ہم تک صحیح معنی میں پہنچانے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تو ظاہر بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت کرنے لگے گا، کیوں کہ حقیقت میں یہ وہی محبت کے حقدار ہیں، بقیہ سب وسائط کے درجہ میں ہیں، اور جب ان دونوں عظیم ترین ہستیوں سے محبت کرے گا، تو دوستی اور دشمنی بھی اسی سے کرے گا جس سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبت کریں یا ناپسند کریں اور جب ایمان ان کی محبت کی برکت سے دل میں جم جائے گا تو ظاہر ہے دنیا کی ہر مصیبت اور چمک دمک اس کی نظروں میں اسلام کے مقابلہ میں بے وقعت ہو جائے گی اور وہ اپنے اندر ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا، پھر چاہے جو ہونا ہو، ہو جائے، مگر یہ ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ وہ اسلام اور ایمان کے تقاضہ کے خلاف کوئی امر کا ارتکاب کرے، چہ جائیکہ اسے چھوڑ دے، آگ میں جلنا تو پسند کرے گا، مگر ایمان چھوڑ نا پسند نہیں کرے گا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھا جائے لوگوں کو سنایا جائے تا کہ غمی خوشی، عبادت، چلنے پھرنے تمام چیزوں میں آپ کے طریقہ معلوم ہو اور پھر اس پر عمل کرنے کا جذبہ بیدار ہو اور یہی مطلوب اور مقصود ہے۔

محبت تین طرح ھوتی ھے:

(۱) محبت قولی

(۲) محبت قلبی

(۳) محبت عملی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر مسلمان میں تینوں قسم کی محبت کا ہونا ضروری ہے، محبت قولی یہ ہے، کہ عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کرے، محبت قلبی یہ کہ دل میں آپ کی ہستی سے زیادہ اور کسی کی محبت کو جگہ نہ دے اور محبت عملی یہ ہے کہ ہر کام کے کرنے سے پہلے یہ دیکھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہے یا نہیں؟ اسلام میں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اصل محبت تو یہی ہے، کیا حضرات صحابہ کرام رضوان علیہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا کوئی ہوگا؟ مگر پھر بھی احد میں ان سے صرف ایک مرتبہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوئی تو مسلمان کو کچھ دیر کے لئے شکست سے دوچار

ہونا پڑا، قرآن کہتا ہے: "فاثابکم غما بغیر بغم" پھر تم کو غم کے عوض غم پہنچا، مفسرین لکھتے ہیں کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تنگ کیا، اس کے بدلے تم پر تنگی آئی تاکہ آگے یاد رکھو، ہر حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلنا، خواہ بظاہر کسی نفع کے ضائع ہونے کا امکان نظر آئے۔

اے دور حاضر کے مسلمانو! ذرا غور کرو کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ کیا کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں ہوگا، مگر پھر بھی جب "چوک سے" عمداً اور جان کر نہیں عملی طور پر بھول ہوگئی، تب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی گرفت ہوئی اور قرآن میں اس کو بیان بھی کیا گیا، تاکہ لوگوں کو سبق مل جائے کہ کسی بھی صورت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت جائز نہیں، تو ذرا ہم غور کریں کہ ہم تو سنتوں پر عمل کرنا درکنار، فرائض و واجبات کی بھی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ اور زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ حلال کو حرام، اور حرام کو حلال کرنے پر تُلا ہوا ہے؛ کہیں سود کو، کہیں داڑھی تراشنے کو، کہیں چہرے کے حجاب کو، کہیں ڈیز Days منانے کو، کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد کی فلم بندی وفلم بینی کو، کہیں تسلیمہ نسرین اور سلمان رشدی کے معاف کرنے کو، کہیں جہاد کی فرضیت کے انکار کو، کہیں بابری مسجد سے دست بردار ہونے کو جائز ہی نہیں، حلال ہی نہیں، بلکہ مستحب قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے، بھلا بتاؤ! ایسے حالات میں نصرت و مدد آسکتی ہے؟ نہیں! عذاب تو آسکتا ہے، مگر نصرت نہیں آسکتی۔

لہٰذا اے مسلمانو! خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ قولاً، عملاً اور قلباً ہر طرح سے تھام لو، پھر دیکھو نصرت آتی ہے یا نہیں، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوہ بنالو پھر دیکھو تم سربلند ہوتے ہو یا نہیں، رب کعبہ کی قسم تم دنیا و آخرت میں سرخ رو ہو جاؤ گے، سربلندی تمہارا استقبال کرے گی، تم مقصد حیات کو پالو گے یعنی رضاء الٰہی کو، اسی لیے کسی شاعر نے کیا

خوب کہا ؎

بہ مصطفےٰ رساں خویش را کہ دیں ہمہ است
اگر با او نہ رسیدہ تمام بولہبی است

مصطفیٰ تک پہنچنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہمارے اعمال و افعال وقت کے تقاضوں کے تابع نہ ہوں بلکہ اسوۂ حسنہ کے تابع ہوں یہی مسلمان کی بازآفرینی کا نسخہ ہے یوں ہی مسلمان اس نام نہاد عالمی نظام کے تار پود کو بکھیر سکتا ہے اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک نے ان کے عہد کو خیر القرون بتایا اور اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جیسے تمام آنے والے زمانے اس عہد میں اکٹھے کر دیئے گیے، انسانی زندگی کے کسی امکان کے بارے میں غور کیجئے، کسی صورت حال کے بارے میں غور کیجئے تو وہ اسی زمانہ میں نظر آجائے گی، اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں کو اس ایک عہد میں سمٹ دیا، یہی وہ نکتہ ہے جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ، تمام انسانی مسائل پر منطبق کی جاسکتی ہے۔

"اللھم حبب الینا الایمان و زینه فی قلوبنا و کره الینا الکفر و الفسوق و العصیان و جعلنا من الراشدین"۔

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھیئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔
(ادارہ)

حقائق

درویشی بھی عیاری وسلطانی بھی عیاری

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی ۱۵ر گاندھی روڈ دہرہ دون

جسٹس محترمہ گیتا متل کے پابندی سے متعلق فیصلہ کے بعد ملک کے مختلف علاقوں میں ہوئے بم دھماکوں کے بعد طرح طرح کی قیاس آرائیاں میڈیا کی مرغوب غذا بن گئی ہے، ایک بہت گھٹیا پہلو زیر بحث لایا گیا ہے وہ مسلم غیر سرکاری اداروں کو ملنے والی مالی امداد کا ہے، بھارت سرکار کے اعداد وشمار کی روشنی میں اپنے اپنے انداز سے رنگ بھرے گئے ہیں، آغاز میں اس موضوع پر جاری کئے گئے اعداد وشمار اور سرکاری نقطہ نظر پیش کر کے پھر اس پر تنقیدی نظر ڈالی جائے گی، مختلف اخباروں میں الگ الگ انداز سے مسئلہ پر خیال آرائی کی گئی ہے، ہندی راشٹریہ سہارا کی سرخی سے ہی آپ مضمون کی زہرنا کی کا اندازہ لگا سکتے ہیں ''آتنک کی پونجی کی کنجی کہاں ہے؟ ہاتھ پاؤں مارتے خفیہ ایجنسیاں ہلکان''۔

خبر میں بتایا گیا ہے کہ ملک میں ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۵ء میں ۱۴۵۱۷ غیر سرکاری ادارے کام کر رہے تھے، جن میں ۵۱۰۵ر کروڑ روپیہ بیرونی مما لک سے وصول ہوئے تھے، یہ رقم ۱۹۹۲ء میں ۹رسو کروڑ روپیہ تھی، ملک میں ہر سال ۱۰ر کروڑ روپیہ کی مدد حاصل کرنے والے ۵۹ر غیر سرکاری ادارہ N.S.O ہیں، ان میں ایک بھی مسلم ادارہ نہیں ۸۰ر فیصد عیسائی ہیں اور باقی ہندو ادارہ ہیں، ہندوستان میں ۱۵۲ر مما لک پیسہ بھیج رہے ہیں جس میں صرف امریکہ کا حصہ ۳۴ر فیصد یعنی ۱۶ر ارب ۹۷ر کروڑ روپیہ ہے، اٹلی ۳ر ارب ۴ر کروڑ، انگلینڈ ۶ر ارب ۹۷ر کروڑ روپیہ، ہائی لینڈ ۲ر ارب ۳۷ر کروڑ سالانہ بھیجتے ہیں، سب سے زیادہ پیسہ دہلی، تاملناڈو، آندھرا پردیش، کرناٹک اور مہاراشٹر کو آرہا ہے، وزارت داخلہ اور محکمۂ خزانہ یہ دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مسلم N.S.O اور مدرسوں کو رقم کہاں سے مل رہی ہے؟ جواب ہے حوالہ کے ذریعہ، خبر پڑھتے ہی علامہ اقبال کا مصرعہ ذہن میں آتا ہے:

خدایا تیرے سادہ دل یہ بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری وسلطانی بھی عیاری

پیسہ آئے تو برے، نہ آئے تو بھی برے، ہندوستان میں بڑے مدارس کی صف میں سب سے بڑا ادارہ غالبًا دارالعلوم دیوبند ہے جس کا ۲۰۰۸ء کا سالانہ بجٹ محض ۱۱ر کروڑ ۴۰ر لاکھ کا ہے، ایک دوسرا بڑا ادارہ جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ جہاں ۴۵۰۰ر طلبہ وطالبات پڑھتے اور رہتے ہیں، اس کی اپنی لینس ہیں جس کا سالانہ خرچہ ۱۶ر کروڑ روپیہ ہے، بقیہ مدارس ان سے چھوٹے ہی ہیں، اب جب ان سب سے بڑے مدارس کا کل بجٹ اتنے کا ہے جتنا کم سے کم مدلانے والوں کا حساب دیکھا گیا ہے یعنی ۱۰ر کروڑ سے اوپر پیسہ لانے والے اداروں کا، جب کہ حقیقت یہ ہے:

۱- بیشتر مسلم ادارے اتنے بڑے ہیں ہی نہیں کہ ان کا خرچ پچاسوں کروڑوں میں ہو۔

۲- یہ ادارہ اپنا تمام بجٹ مکمل ذرائع سے ہی حاصل کرتے ہیں۔

۳- بڑی تعداد میں مسلم اداروں کے ساتھ وقف جائیدادیں منسلک ہیں، صرف عیدالاضحیٰ میں حلال موٹے جانوروں کی کھال ہی اربوں روپیہ کی ہوتی ہے۔

۴- ۱۹۹۰ء میں مسلم ادارہ ایکیمیوں کی رپورٹ کے مطابق

ہندوستانی مسلمان سالانہ ۹؍ارب روپیہ صرف زکوۃ ادا کرتے ہیں، اس کے علاوہ امداد وعشر اور خمس کے شکل میں فصلوں کی زکوۃ بڑی پیمانہ پر ادا کی جاتی ہے۔

۵- ہر مسلمان پر عید کی نماز سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے، ہندوستان میں مسلمان اگر پندرہ کروڑ بھی ہیں تو بھی صرف صدقۃ الفطر کی رقم ہی کتنے ارب روپیہ ہوگی۔

۶- خرچ کی مد میں دیکھیں تو مسلم اداروں کے اخراجات دیگر اداروں کے مقابلہ میں ''نا'' کے برابر ہوتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی تنخواہ اور سہولیات کا مقابلہ کسی بھی معیاری کالج اور اسکول کے اساتذہ کی تنخواہ، الاؤنس، کوٹھی، کار سے کر کے دیکھ لیں تو خود ہی اندازہ ہوجائے گا کہ باہر کے پیسہ کی ضرورت کیوں نہیں ہوتی؟۔

۷- یہ بات حکومت اور میڈیا شاید جان بوجھ کر چھپانا چاہتے ہیں کہ تمام مسلم ادارے جب قائم کئے گئے تھے تو کسی بھی مسلم حکومت کے پاس اپنے خرچ کے لیے بھی پیسہ نہیں تھا، دارالعلوم اور دوسرے بڑے ادارے اور جماعتیں اس وقت قائم ہوئی تھیں، جب کالا سونا یعنی پٹرول دریافت بھی نہیں ہوا تھا، اس وقت ہندوستان کے مسلمان خود مالدار تھے، ہندوستانی اصحاب خیر مکہ اور مدینہ میں مسافر خانہ بناتے تھے اور مدرسہ چلاتے تھے، ہندوستان کے مسلمان حجاج کرام کی ضیافت کے لیے امداد بھیجا کرتے تھے، یہی حال علی گڑھ اور دیگر اداروں کے قیام کا ہے، پھر ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے، اور وہ اس پر ایمان رکھتی ہے کہ اصل سرمایہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کردیا، اس نظریہ کے تحت وہ اپنی آخرت کے لیے اپنے والدین، اساتذہ، اعزہ واقرباء کے ثواب کے لیے خود بڑی مقدار میں رقمیں اداروں میں جمع کراتے ہیں، جس کی انہیں باقاعدہ رسیدات دی جاتی ہیں اور حسابات مکمل رکھ کر آڈٹ کرائے جاتے ہیں، جن اداروں میں رقومات بیرونی ممالک کے اداروں سے آتی ہیں ظاہر ہے وہ دس کروڑ سالانہ سے کم ہوتی ہوگی، اگر مسلم اداروں کا خرچ اتنا کم ہے کہ وہ اپنے وسائل سے اسے پورا کر لیتے ہیں تو انہیں مدد لے کر سرکاری بندشوں اور معائنوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور مسلم ادارے خصوصاً مدارس اس معاملہ میں کتنے حساس ہیں اس کا اندازہ خود حکومت ہند کو بھی ہے کہ جب یہ ادارے حکومت ہند اور صوبائی حکومتوں کی امداد لینے سے ہی گھبراتے ہیں تو باہر والوں کی مدد لے کر دوطرفہ معائنوں اور حسابات کے چکر میں کیوں پڑیں گے؟۔

ایک اور حقیقت کی طرف بھی دھیان دلانا چاہوں گا کہ کچھ دنوں پہلے جین حوالہ کانڈ میں بڑے بڑے دیش بھگتوں کے نام سامنے آئے تھے، حالات یہ تھے کہ کسی بھی بڑی سیاسی پارٹی کے لیڈران کے نام سے لسٹ خالی نہیں تھی، اس لیے سب چھوٹ گئے، مگر کیا اس حوالہ ڈائری میں مسلم اداروں کے بھی نام تھے؟ اور آج ملک سے جوار بوں کھربوں روپیہ باہر کے بینکوں میں جمع ہو رہا ہے کیا وہ بھی مسلم اداروں کا ہے، یا ان دیش بھگتوں کا ہے جو مدرسوں کی آمدنیوں کے ذریعہ کھوج رہے ہیں؟۔

واضح رہے کہ CBI کے سابق جوائنٹ ڈائریکٹر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کا بیرونی ممالک میں اتنا سرمایہ ہے جو ۳۵؍سال کے بجٹ کے برابر ہے اور یہ تو تازہ خبریں ہیں کہ جرمنی کی حکومت نے دنیا کے تمام ممالک کے پاس اطلاع بھجوائی کہ ان کے پاس ان بینکوں میں جمع رقوم کی تفاصیل بہت ہیں جو دنیا بھر کے مشکوک لوگوں کے ذریعہ بدنام ترین سوئس بینکوں میں جمع کرائی گئی ہیں، مگر کسی بھی ایشیائی ملک نے تاحال حکومت جرمنی سے رجوع نہیں کیا، ہاں امریکہ اور یوروپ اور لاطینی امریکی ممالک نے ضرور رجوع کیا ہے، خبر یہ ہے کہ کچھ لوگ سپریم کورٹ میں مفاد عامہ کی رٹ دائر کر کے حکومت کو مجبور کریں گے کہ وہ ہندوستان کے لوگوں کی فہرست منگانے کے لیے سرکاری سطح پر معلومات حاصل کرائے تب سب دیش بھگتوں کا کچا چٹھا کھل جائے گا کہ اپنی کالی کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے دوسروں کے اجلے دامن کیوں داغدار کئے جارہے تھے؟۔

مسائل وفقہ

ساتویں قسط

امامت کے مسائل اور احکام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

محدث اور جنبی کی اقتداء:

محدث وجنبی کی اقتداء کرنا بالا جماع صحیح نہیں جب کہ وہ حدث وجنابت سے واقف ہو، اگر واقف نہیں تھا پھر بعد میں معلوم ہوا، تو ہمارے نزدیک اقتداء درست نہیں ہوگی اور اس بارے میں امام شافعی نے فرمایا کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جیسے کافر کی اقتداء درست نہیں ہے اسی طرح محدث اور جنبی کی اقتداء بھی درست نہیں ہے؛ لیکن میں نے حدیث نبوی کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے پھر اس کو جنابت یاد آجائے تو وہ اعادہ کرے اور لوگ اعادہ نہ کریں''۔ (دار قطنی ۱/۳۶۴ر وکتاب الام ۱/۱۶۷)

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی پھر آپ کو جنابت یاد آئی تو آپ نے خود بھی اعادہ کیا اور صحابہ کرام کو بھی اعادہ کا حکم فرمایا، تو انہوں نے بھی اعادہ کیا اور آپ نے فرمایا ''جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے پھر اس کو جنابت یاد آجائے وہ اعادہ کرے اور لوگ بھی اعادہ کریں''۔ (دار قطنی ۱/۳۶۴)

اور اسی طرح کی حدیث حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے حتی کہ امام ابو یوسف نے ''الامالی'' میں ذکر کیا ہے، کہ حضرت علیؓ نے ایک روز صحابہ کو نماز پڑھائی پھر انہیں معلوم ہوا کہ وہ حالت جنابت میں تھے، تو مؤذن کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ لوگوں کو باخبر کردو کہ اے لوگوں سن لو! امیر المؤمنین جنبی تھے، تو تم اپنی نمازیں دہرا لو۔ (دار قطنی ۱/۳۶۴)

اور اس لیے بھی کہ یہاں پر اقتداء کے معنی یعنی بناء کا تحقق ہی نہ ہوگا کیونکہ حدث اور جنابت کی وجہ سے تحریمہ کا تصور ہی نہیں اور جو انہوں نے بیان کیا وہ لوگوں کی نماز کے امام کی نماز سے متعلق ہونے سے پہلے معاملہ پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ مسبوق شخص جب امام کی نماز شروع کرتا ہے تو اپنی چھوٹی ہوئی نماز اولاً قضا کرے گا، پھر امام کی متابعت کریگا جس طرح عبداللہ بن مسعودؓ یا معاذ بن جبلؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تھی، پھر فوت شدہ نماز کی قضا کی، لہٰذا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کی وجہ سے ثابت ہوا۔ (بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۵۳)

برہنہ شخص کا برہنہ یا کپڑے میں ملبوس شخص کی اقتداء:

کپڑے پہنے ہوئے شخص کی اقتداء برہنہ شخص کے لیے جائز ہے، کیونکہ جس حالت پر امام کا تحریمہ منعقد ہوا ہے اسی حال پر مقتدی بناء کررہا ہے اور اس لیے کہ جو امام کررہا ہے وہی مقتدی بھی انجام دے رہا ہے، تو یہ بنا قبول کی جائے گی، اسی طرح ایک حالت میں اور تحریمہ میں مشارکت ہونے کیوجہ سے برہنہ کا برہنہ کی اقتداء کرنا جائز ہے، مگر برہنہ حضرات بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کریں گے، امام بشرؒ فرماتے ہیں کہ برہنہ لوگ کھڑے ہوکر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ (الام ۱/۶۱)

ان دونوں حضرات کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ برہنہ حضرات کپڑے کی عدم موجودگی میں ستر عورت کی شرط پوری کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں اور اس کے علاوہ بقیہ ارکان صلاۃ ادا کرنے پر قادر ہیں، لہٰذا جس پر وہ

قادر ہیں ان ارکان کا ادا کرنا ان پر لازم اور ضروری ہوگا اور جن ارکان کی ادائیگی سے عاجز ہیں وہ ان کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے، اس لیکہ (یہ دلیل عقلی ہے) اگر وہ لوگ نماز کو بیٹھ کر ادا کریں تو بہت سے ارکان وفرائض ترک کرنے والے ہوں گے، جیسے قیام، رکوع اور سجود اور اگر وہ لوگ کھڑے ہو کر نماز کو ادا کریں تو صرف ایک فرض چھوڑنا لازم آئے گا اور وہ ستر عورت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک قیام اولی ہے اور استدلال اس حدیث سے کرتے ہیں جس کو روایت کیا ہے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز کو پڑھو اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کرو۔ (بخاری شریف ۱۰۵۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیام کی استطاعت کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، ہماری دلیل حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسول سمندر کا سفر کر رہے تھے، کہ اچانک ان کی کشتی ٹوٹ گئی تو لوگ برہنہ باہر آئے اور ان لوگوں نے بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کی۔ (نصب الرایہ ۱/۳۰۱)

اور دوسری دلیل حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کردہ حدیث ہے کہ وہ دونوں فرماتے ہیں، برہنہ شخص بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرے گا (مصنف عبدالرزاق صفحہ ۵۸۳/۵۸۴ جلد ۲)

جس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا دو وجہ سے راجح ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے، تو صرف ستر عورت کی فرضیت کو چھوڑتا ہے اور دوسرا کوئی فرض اصل میں نہیں چھوڑتا اس لیے کہ وہ رکوع وسجود کو اشارے سے ادا کر رہا ہے اور قیام کے فرض کو قعود کے ذریعہ پورا کرتا ہے، جو اس کا بدل ہے، تو گویا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں تمام فرضوں کی رعایت ہو جاتی ہے، اس لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

پھر بھی اگر آپ اعتراض کریں کہ ان دونوں فرضوں میں سے ایک تو ساقط ہو گیا یعنی ستر عورت جو کہ اہم فرض ہے تب بھی ہم وہی جواب دیں گے، یعنی کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنا زیادہ اولی ہے، بنسبت کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ ستر عورت نماز کے تمام رکنوں میں سے سب سے اہم رکن ہے، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو اس لیے کہ ستر عورت نماز اور نماز سے باہر دونوں جگہوں میں فرض ہے اور بقیہ نماز کے ارکان ایسے نہیں ہیں بلکہ وہ صرف نماز ہی تک محدود ہیں، دوسرے اس لیے کہ ان ارکان کا نوافل میں بغیر کسی عذر اور ضرورت کے اشارہ سے بھی پورا کرنا جائز ہے، جیسا کہ نفل پڑھنے والے کا سواری پر نفل نماز پڑھنا اشارہ سے جائز ہے، لیکن ستر عورت کی فرضیت بغیر کسی ضرورت کے کبھی بھی ساقط نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی عذر لاحق ہو، تو تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ ستر عورت ایک اہم فرض ہے جس کی رعایت کرنا از حد ضروری ہے، انہیں وجوہات کی بنیاد پر ہم نے بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا اولی اور بہتر قرار دیا ہے، باوجود اس کے اگر وہ کھڑے ہو کر رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تب بھی فرض ادا ہو جائے گا، اس لیے کہ اگر چہ اس نے ایک دوسرے فرض کو ترک کیا لیکن بقیہ تینوں ارکان تو مکمل ہو گئے، (قیام، رکوع اور سجود) اور ان ارکان کو مکمل کرنے کی ضرورت بھی تھی تو اگر چہ وہ ستر عورت کے فرض کو ترک کرنے والا ہے لیکن اس کے باوجود کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو اصل ضرورت کے پائے جانے اور فرض کے پورا کرنے کی وجہ سے اور تمام فرض کی رعایت ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے اور ہم نے بیٹھ کر اشارہ کیساتھ نماز پڑھنے کو اولی اور بہتر قرار دیا ہے اس لیے کہ وہ ایک اہم فرض ہے اور دونوں فرضوں کی رعایت من وجہ اہم ہے ان تمام تصریحات کی وجہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حضرت عمران بن حصین والی حدیث جو بطور استدلال پیش کی گئی تھی اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق استطاعت سے ہے اور یہاں استطاعت کی کوئی بات ہی نہیں۔

پھر اگر برہنہ حضرات جماعت کرنا چاہیں تو بہتر اور مناسب یہ ہے کہ وہ تنہا تنہا نماز پڑھیں کیونکہ اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز قائم کریں گے تو اگر دوسرے کے ستر عورت کے دیکھنے سے بچتے ہوئے امام ان کے درمیان میں کھڑا ہوگا، تو ایسی صورت میں جماعت میں امام آگے ہونے کی سنت کا تارک ہوگا اور جماعت کرنا ایک امر مسنون ہے تو جب امر مسنون کا ادا کرنا ایک بدعت کے ارتکاب کیے بغیر اور ایک دوسری سنت کے چھوڑے بغیر جماعت کا پورا کرنا ممکن نہ ہوسکے گا تو ایسی صورت میں اس کا پورا کرنا مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے، اگر امام ان سے آگے بڑھ جائے اور ان کو نیچی نگاہ رکھنے کا حکم دے، جیسا کہ حسن بصری علیہ الرحمہ کا خیال ہے، پھر وہ لوگ منکر میں پڑنے سے بھی اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکیں، اس لیے کہ غض بصر کا ایسی شکل میں ہونا کہ امام کے ستر پر نگاہ نہ پڑے کم ممکن ہے، باوجود اس کے کہ نگاہ کو نیچی رکھنا نماز میں مکروہ بھی ہے، صاحب قدوریؒ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ مقتدی ہر حال میں مخصوص جگہ کے دیکھنے پر مامور ہیں تاکہ ان عبادات کے ادا کرنے میں جس طرح تمام اعضاء شریک ہیں نگاہ بھی شریک ہوجائے تو معلوم ہوا کہ جماعت کا حصول امر مکروہ کئے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا جماعت کر کے نماز پڑھنا ان سے ساقط ہوجائے گا۔

اس کے باوجود اگر یہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو بہتر طریقہ ان کے امام کے لیے یہ ہے کہ امام ان کے بیچ میں کھڑا ہوتا کہ ان کی نگاہیں امام کے ستر پر نہ پڑے، اگر امام ان سے آگے بڑھ جائے تو یہ بھی جائز ہے، اس جگہ ان کا حال نماز میں عورتوں کی طرح ہوگا، لیکن عورتوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ فرداً فرداً نماز پڑھیں اور اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو ان کا امام ان کے درمیان کھڑا ہو اور اگر ان سے مقدم ہوجائے تو بھی جائز ہے، اسی طرح برہنہ لوگوں کا امام اگر آگے بڑھ جاتا ہے تو جائز ہے۔ (بدائع الصنائع صفحہ ۳۵۵ رجلد ۱)

مسح کرنے والے کا مسح کرنے والے کی اقتداء کرنا:

وضو کرنے والے کا خفین پر مسح کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے، کیونکہ خفین پر مسح کرنا غسل کا بدل ہے، اور کسی چیز کا بدل عجز اور عذر کے پائے جانے کے وقت اصل کے قائم مقام ہوتا ہے، تو مسح کرنا دونوں پیروں کے پاک کرنے کے حق میں غسل کے قائم مقام ہوگیا، حدث کے وقت ان دونوں کے دھونے سے معذور ہونے کی وجہ سے، خصوصاً مسافر کے حق میں، تو گویا امام کا تحریمہ پیروں کو دھونے والے کیساتھ منعقد ہوا چونکہ وہ بدل غسل پر منعقد ہوا (یعنی امام کا تحریمہ منعقد ہوا اس چیز پر جو اس کا بدل ہے اور وہ مسح علی الخفین ہے اور مسح علی الخفین پر منعقد ہونے کی صورت میں اصل کے مقام پر ہوا تو ثابت ہوا کہ امام کا تحریمہ اصل پر منعقد ہوا، لہٰذا اصل کی اقتداء کرنا جائز ہے) تو مقتدی کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر کرنا درست ہوگیا، اور اس لیے بھی کہ قدم کی طہارت غسل سابق ہی سے حاصل ہوگئی تھی اور موزہ پیروں میں حدث کے سرایت کرنے کو مانع ہے تو گویا کہ (غاسل) پیروں کو دھونے والے نے پیروں کو دھونے والے کی اقتداء کی ہے جو کہ درست ہے، اور ایسے ہی غاسل کا پٹی پر مسح کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ مسح کا بدل ہے اور مسح کے قائم مقام ہے اور اصل کے درجہ میں ہے لہٰذا غاسل کا پٹی پر مسح کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے، وضو کرنے والے کا تیمّم کرنے والے کی اقتداء کرنا امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ (بدائع الصنائع صفحہ ۳۵۵ رجلد اول)

کھڑے ہونے والے کا بیٹھنے والے کی اقتداء کرنا:

کھڑے ہوکر رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کا بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کیساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا استحساناً جائز ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کا قول ہے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جائز نہیں ہے اور یہ امام محمد کا قول ہے، اور اسی اختلاف کی بنا پر کھڑے ہوکر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کا بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنے کا مسئلہ ہے اور قیاس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کوئی بھی شخص بیٹھ کر امامت نہ کرے (یعنی کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والوں کی) باوجود اسکے کہ اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت کرتا ہے تو اس کی امامت جائز ہے، اس لیے کہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور اعلیٰ کا اسفل کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، جس طرح رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کا اشارہ کر کے نماز پڑھنے والے کی اور قاری کا ان پڑھ کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے (اسی طرح اعلیٰ کا اسفل کی اقتداء جائز نہیں ہے) اور جو ہم نے بیان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی اپنے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر کرتا ہے اور امام کا تحریمہ بیٹھ کر ہوا ہے کھڑے ہوکر نہیں ہوا ہے، لہٰذا کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے کا اس تحریمہ پر بنا کرنا ممکن ہی نہیں، جس طرح امی کی اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی تحریمہ (یعنی ان پڑھ اور اشارہ کرنے والے کی تحریمہ) پر قراءت کرنے والے اور کوع اور سجدہ کر کے نماز پڑھنے والے کا بناء کرنا ممکن نہیں۔

وجہ استحسان یہ ہے جو مروی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز پڑھائی وہ ایک کپڑے میں لپٹ کر بیٹھنے کی حالت میں پڑھائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ کی اقتداء کررہے تھے'' پھر جب آپ کا مرض بڑھ گیا اور آپ کمزور ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو! کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت مغموم ومخزون شخص ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکیں گے، لہٰذا اگر آپ کسی دوسرے کو حکم صادر فرمادیں، حضرت حفصہ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سب عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کی صویحبات میں سے ہو، ابوبکر کو حکم دو! کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو آپ حضرت علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے سہارے باہر تشریف لائے، آپ کے قدم مبارک زمین پر لڑکھڑا رہے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوگئے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا احساس ہوا، تو حضرت ابوبکر پیچھے ہٹ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور بیٹھ کر نماز پڑھانے لگے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی اقتداء کرنے لگے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کررہے تھے، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ علیہ وسلم کی تکبیر سن کر تکبیر کہتے اور لوگ حضرت ابوبکر کی تکبیر پر تکبیر کہتے، اس آخری عمل سے ثابت ہوا کہ بیٹھے والے کا کھڑے ہونے والی کی امامت کرنا جائز ہے، جب تک کہ نسخ ثابت نہ ہوجائے تو کھڑے ہوکر بیٹھنے والے کی اقتداء کرنے کا جواز ثابت ہوگیا، جب تک کہ اس نسخ کے وارد ہونے کا توہم نہ ہو اور اگر نسخ کا توہم ہو تو جواز ثابت رہے گا جب تک کہ نسخ کا ثبوت نہ ہو، پھر جب نسخ کے ورود کا توہم ہی نہ ہو تو جواز اولیٰ ہے، اس لیے کہ بیٹھنا کھڑے ہونے کی بجائے جب ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجائے تو وہ اس کا بدل ہوجائے گا جیسا کہ خف پر مسح کرنا دونوں پیروں کے دھونے کے ساتھ، اور یہ بات ہم نے اس لیے کہی کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں، حکم اور حقیقت کی دلیل کی وجہ سے۔

نئے سال کے مبارک موقع پر

ماہنامہ نقوش اسلام

کے کارکنان کو دلی مبارک باد

مولانا عبدالحفیظ قاسمی

الفلاح ویلفیئر سوسائٹی گردھر پور، خلیل آباد سنت کبیر نگر (یوپی)

احوال وسوانح

حضرت امام شافعی - حیات اور کارنامے

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تمھید:

یوں تو گلشن اسلام ہر دور میں ہر طرح کے پھولوں سے مزین اور گلہائے رنگارنگ سے آراستہ رہا ہے، کوئی عہد اس سے خالی نہیں رہا، لیکن ان میں کچھ ایسے بھی پھول کھلے ہیں جن کو بلاشبہ ناز گلستاں کہا جاسکتا ہے، جن کی خوشبو دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک پھیلی ہوئی ہے، اور زمانی اعتبار سے صدیوں کو معطر کئے رکھا ہے اور معطر کئے جارہی ہے، ایسے چند لاثانی ولافانی گل سرسید کی حیثیت رکھنے والے تازیوں میں حضرت امام شافعیؒ بھی ہیں جو آب حیات کے مانند تھے، جس سے بے شمار انسانوں نے سیرابی حاصل کی اور اپنے مردہ دلوں کو لذت حیات سے آشنا کیا، آپ ائمہ اربعہ میں ایک ہیں، امام دارالہجرۃ حضرت امام بن انس کے مایہ ناز شاگرد اور امام احمد بن حنبل کے محبوب ترین استاد تھے۔

امام شافعی کا زمانہ:

علم وفکر اور تہذیب وثقافت کے لحاظ سے اسلام کا سب سے زیادہ شاداب دور خلافت عباسیہ کی پہلی صدی (از ۱۳۲ھ تا ۲۳۲ھ) ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں حضرت امام شافعی نے اپنی زندگی کی ۵۴/ بہاریں گزاریں۔

جس طرح یہ دور علمی، فکری اور تہذیبی وثقافتی ترقی، چمک دمک اور اورعروج وارتقاء کا دور تھا، اسی طرح فقہی اجتہادات کا دور بھی تھا، اس لیے اس کی ضرورت تھی کہ اجتہاد کرکے نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کیا جائے، اور فقہی اصول وقانون کو وضع کرکے مرتب ومنظم شکل میں سامنے لایا جائے، چنانچہ اہل علم نے اس دور میں یہ ذمہ داری نبھائی، اس کے ساتھ نئے نئے علوم وفنون کی ایجاد سے بے راہ روی وگمراہی کا جو درکھل رہا تھا اور معتزلہ وخوارج کے وجود سے الحاد ودہریت کے جو فتنے برپا ہورہے تھے ان سے بھی نبرد آزمائی کی، بلاشبہ اس دور کے علماء میں حضرت امام شافعی کا حصہ بڑا اہم اور کردار بہت نمایاں ہے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت:

امام شافعی کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور لقب شافعی ہے، والد کا نام ادریس ہے، ان کے پڑدادا کا نام شافع تھا، اس لیے شافعی کہلاتے اور یہی لقب سے مشہور بھی ہوئے، آپ کی ولادت ماہ رجب کی آخری تاریخ بروز جمعہ ۱۵۰ھ میں فلسطین کے غزہ نامی شہر میں ہوئی، اسی سال امام اعظم ابوحنیفہ کا انتقال ہوا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس دن امام صاحب کا انتقال ہوا اسی دن امام شافعی کی پیدائش ہوئی، اگرچہ یہ روایت تسلیم کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنی حکمت سے دنیا کو ایک امام کے رخصت ہونے پر دوسرا امام فراہم کردیا۔

آپ کی ساخت وپرداخت مکہ مکرمہ میں ہوئی، جب کچھ بڑے ہوئے اور ہوش سنبھالا تو عام دستور کے مطابق آپ کی والدہ فاطمہ بنت عبیداللہ آپ کو بغرض تعلیم معلم کے پاس لے گئیں، چونکہ آپ یتیم تھے اور نادار بھی، اس لیے تعلیم کی اجرت کے طور پر دینے کے لیے آپ کی والدہ کے پاس کچھ نہ تھا، لیکن مہربان استاذ اس بات پر راضی ہوگئے کہ جب وہ تدریس سے فارغ ہوکر چلنے لگیں تو یہ ان کے پیچھے ہولیں

اور راستہ میں چلتے ہوئے کچھ سیکھ لیا کریں، امام صاحب خود فرماتے ہیں :"كنت يتيماً في حجر أمي ولم يكن معها ماتعطى المعلم، وكان المعلم قدر ضي مني ان أخلفه إذا قام"۔(صفۃ الصفوۃ ۱۴۱/۲)

آپ بڑے زیرک اور ذہین وفطین تھے، فرماتے ہیں کہ جب استاذ کسی لڑکے سے کوئی بات ارشاد فرماتے یا املا کرا کے فارغ ہوتے تو میں اس کو حفظ کر لیتا تھا، ان کی اس عقلمندی کو دیکھ کر ایک دن ان کے استاذ فرمانے لگے کہ میرے لئے تم سے کچھ لینا جائز نہیں ہے۔

یہ تعلیم کا پہلا مرحلہ تھا اس میں آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا، اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوا، جس میں آپ مسجد حرام جا کر مختلف علماء سے احادیث کی سماعت فرماتے، غربت اور تنگدستی کی وجہ سے کاغذ خریدنے کے لیے پیسے نہ تھے، اس لیے گری پڑی ہڈیوں، اونٹ کی کھالوں اور کھجور کی چھالوں پر احادیث لکھتے تھے اور اپنی والدہ محترمہ کے پاس موجود گھڑوں میں ڈالتے جاتے تھے، حتی کہ وہ گھڑے تحریر شدہ ہڈیوں اور چھالوں سے بھر گئے۔

اس دوسرے مرحلہ میں دس سال کی عمر میں آپ نے امام مالک کی مؤطا حفظ کر لی، امام مزنیؒ، امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:"حفظت القرآن وأنا ابن سبع، وحفظت المؤطا وأنا ابن عشر"۔(توالي التأسيس صفحه ۵۰)

حلیہ مبارک اور اولاد:

علامہ تقی الدین بن الصلاح آپ کا حلیہ مبارک بیان فرماتے ہیں:

"كان طويلاً، سائل الخدين، قليل لحمة الوجه، طويل العنق، طويل القصب، أسمر خفيف العارضين، يخضب لحيتة بالحناء، حسن الصوت والسموت، عظيم العقل، جميل الوجه، مهيباً فصيحاً من آداب الناس لساناً"(الوافي بالوفيات ۱۷۲/۲)

آپ کی آواز اتنی پیاری تھی کہ آپ کے شاگرد بحر بن نصر کہتے ہیں کہ جب ہم رونا چاہتے تو پوری ایک جماعت کی شکل میں امام صاحب کے پاس جاتے، آپ قرآن مجید کھولتے اور پڑھنا شروع کر دیئے، یہاں تک کہ لوگ آپ کی خوش آواز سے متأثر ہو کر بے ہوش ہو جاتے اور آہ وبکا سے آوازیں گونجنے لگتیں، جب امام صاحب لوگوں کی یہ حالت دیکھتے تو پڑھنا بند کر دیتے۔

آپ کے ممتاز اور نامور شاگرد امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

" كان الشافعي إذا تكلم كأن صوته صنح أو جرس من حسن صوته"(الوافي بالوفيات ۱۷۲/۲)

امام شافعی جب گفتگو فرماتے تو ان کی خوش آوازی کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا کہ یہ کسی جھانجھ یا گھنٹی کی آواز ہے۔

آپ معتدل لباس پہنتے تھے، کتان اور بغدادی روئیوں کا بنا ہوا کپڑا زیب تن فرماتے تھے، اکثر وبیشتر عمامہ اور موزہ پہنتے، بائیں ہاتھ میں انگوٹھی بھی استعمال کرتے تھے جس پر "كفى بالله لمحمد بن ادريس" نقش تھا۔(تہذیب الاسماء ۱۵/۱)

غالبًا آپ کی ایک ہی زوجہ تھیں جن کا نام حمدہ بن نافع تھا، دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، بڑے صاحبزادے کا نام محمد اور کنیت ابو عثمان تھی، دوسرے صاحبزادے کا نام بھی محمد تھا، لیکن کنیت ابو الحسن تھی، اور صاحبزادی کا نام زینب تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد تقریباً مدینہ منورہ میں دس ہزار صحابہ کرام کو چھوڑا تھا، جس میں سے تقریباً دو ہزار دعوت وتبلیغ کی غرض سے دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے تھے اور بہت سے مدینہ ہی میں رہ گئے، اس لحاظ سے مدینہ علم وعمل کا گہوارہ اور دین کا مرکز وادارہ تھا، اس لیے مختلف جگہوں سے حدیث کی سماعت کے لیے طالبان علوم نبوت بغرض حصول تعلیم آتے اور سیرابی حاصل کرتے ان میں نمایاں شخصیت امام شافعی ہی کی تھی۔

جب آپ امام مالک کے پاس مؤطا پڑھنے کے لیے آئے تو انہوں نے کہا" "أحضرمن يقرأ لك" کسی ایسے شخص کو لاؤ جو تمہارے لیے پڑھ سکے، آپ نے کہا"أنا قاري فقراءت عليه المؤطا

حفظاً" میں مؤطا پڑھا ہوا ہوں، چنانچہ میں نے زبانی پڑھ کر سنادی، اس سے امام مالک بے حد خوش ہوئے اور ان کو یہ بشارت دی"إن يك أحد يفلح فهذا الغلام" اگر کوئی مستقبل میں نام روشن کرے گا تو وہ یہی لڑکا ہے۔

امام شافعی، امام مالک کی وفات تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے جیسا کہ ان کا خود کا فرمان ہے"أقمت بالمدينه حتى توفى مالك ابن أنس"۔(معجم الأدباء ۱۷/۲۸۷)

اساتذہ کرام:

امام شافعی کے اساتذہ کرام میں چند معروف اور ممتاز اساتذہ کرام یہ ہیں: مفتی مکہ مکرمہ حضرت خالد بن مسلم زنجی، داؤد بن عبدالرحمٰن عطاء، آپ کے عم محترم محمد بن ابن شافع، سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن ابوبکر ملیکی، سعید بن سالم، فضیل ابن عیاض اور چند دیگر حضرات ان سب سے مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کی۔

مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک بن انس، ابراہیم ابن اَبی یحییٰ، عبدالعزیز دراوردی، عطاف بن خالد، اسماعیل بن جعفر، ابراہیم بن سعد وغیرہ سے اور یمن میں مطرف ابن زمان، ہشام بن یوسف قاضی وغیرہ سے اور بغداد میں فقیہ عراق امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، اسماعیل بن علیہ اور عبدالوہاب ثقفی وغیرہم سے درس لیا۔

تلامذہ ذی شان:

آپ کے تلامذہ ذی شان میں چند نامور اور مشہور یہ ہیں: ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی، ابوعبیداللہ القاسم بن سلام، امام احمد بن حنبل، سلیمان ابن داؤد ہاشمی، ابو یعقوب یوسف بویطی، ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی، حرملہ بن یحییٰ مزنی ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ، یونس بن عبدالاعلی، محمد بن عبداللہ بن عبدالکریم ربیع بن سلیمان، زعفرانی حسن بن محمد بن صباح وغیرہم۔

ان کے علاوہ تقریباً تیس اور ناموں کا ذکر امام ذہبی نے اپنی مشہور کتاب''سیر أعلام النبلاء'' کی دسویں جلد کے شروع میں کی ہے۔

فضائل ومناقب:

امام شافعی بڑے ہی پاکدامن و پاکباز، امانتدار، زاہد و مرتاض، متقی و پرہیزگار، عمدہ سیرت اور اچھے کردار کے مالک، سخی و فیاض اور ایک بلند مرتبہ انسان تھے، بقول ابن ثمان اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

کثرت تلاوت کا یہ حال تھا کہ صرف رمضان میں ساٹھ قرآن ختم فرماتے تھے، احتیاط اس قدر تھی کہ نہ کبھی جھوٹی قسم کھائی اور نہ سچی، خود فرماتے"ماحلفت بالله صادقاً و لا كاذباً"، ریاضت ومجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ ۱۶/سال سے ایک مرتبہ کے علاوہ شکم سیر ہوکر کھانا تناول نہیں فرمایا، ایک مرتبہ جو پیٹ بھر کر کھایا بھی تو ہاتھ ڈال کر قے کردی، اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ آسودگی بدن کو ثقیل، دل کو سخت، ذہانت وفطانت کو زائل کردیتی ہے، نیند زیادہ لاتی ہے اور عبادت میں کمزوری پیدا کرتی ہے۔(آداب الشافعی صفحہ ۱۰۶)

آپ بڑی ہی خوبیوں کے حامل، لاثانی اور اپنی مثال آپ تھے، اللہ تعالی نے اپنی کتاب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات، صحابہ کرام کے آثار و کلام، علماء کے اختلافات کی تاویل و توجیہ، کلام عرب کی معرفت، لغت اور شعر وشاعری کا بڑا ذوق آپ کے اندر جمع فرما دیا تھا، جس کی مثال اوروں میں نہیں پائی جاتی تھی، تصنیف وتالیف کے ذریعہ اسے رائج اور عام بھی کیا۔

انہیں خوبیوں کی وجہ سے علماء آپ کی بہت قدر کرتے تھے، آپ کے شاگرد عزیز حمیدی کہتے ہیں میں نے امام شافعی کے استاذ مسلم بن خالد کو ان کے متعلق فرماتے ہوئے سنا،"أفت يا أبا عبدالله فقد والله آن لك أن تفتي وهو ابن خمس عشره سنة" اے ابوعبداللہ فتوی دو، بخدا تم اس کے اہل ہو چکے ہو، حالانکہ ان کی عمر پندرہ سال کی تھی، آپ کے استاذ سفیان بن عیینہ کے پاس جب کوئی تفسیری مسئلہ یا فتوی آتا تو امام شافعی کی طرف اشارہ کرکے فرماتے''سلوا ہذا الغلام'' اس لڑکے سے پوچھو۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں امام احمد کے

ساتھ تھا، انہوں نے مجھ سے کہا آؤ! میں تم کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں جیسا تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا ہوگا، چنانچہ انہوں نے مجھے امام شافعی کو دکھایا۔ (صفۃ الصفوۃ ۱۴۲/۲)

دیگر خصوصیات:

ان تمام خصوصیات اور صلاحیتوں کے ساتھ اللہ تعالی نے آپ کو گھوڑ سواری اور تیر اندازی کی صلاحیت سے بھی نواز اتھا، اگر دس تیر مارتے تو دسوں تیر جا کر نشانہ پر لگتے، بہت کم کوئی تیر خطا کرتا، گھوڑ سواری اور بہادری میں اتنی مہارت تھی کہ ربیع بن سلیمان آپ کے شاگرد شہادت دیتے ہیں "کان الشافعی اشجع الناس وافرسھم" امام شافعیؒ سب سے بڑے شہسوار اور بہادر تھے۔

قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغت، ادب کے علاوہ اشعار عرب کا علم اور شعر پرکھنے میں مہارت تھی اور خود بھی قادر الکلام شاعر تھے، ان کا دیوان بھی ہے۔

امام موصوف خود بیان کرتے ہیں: " خرجت من المکتب فقدمت هذيلاً أتعلم كلامها، وكانت أفصح العرب، فبقيت فيهم سبعة عشرعاماً راحلاً برحلتهم ونازلاً بنزولهم، فلما رجعت إلى مكة جعلت أنشد الأشعار وأذكرالآداب والأخبار وأيام العرب" ۔(الإمام الشافعی فقيه السنة الأكبر ٢٤٤/ ٢٤٥)

یعنی میں عرب کے فصیح قبیلہ ہذیل میں سترہ سال تک ان کے سفر وحضر میں ساتھ رہا، پھر مکہ آکر اشعار گنگنانے، اخبار وآداب اور ایام عرب کا تذکرہ کرنے لگا۔

تصنیفات:

آپ کی بہت ساری تصنیفات میں حسب ذیل کتابیں زیادہ مشہور ومعروف ہیں: كتاب الأم، الرسالة، المبسوط، صفة الأمر والنهی، إبطال الاستحسان، الدعوی والبيانات، ديوان الشافعی وغیرہ"۔

معاصرین کے تأثرات:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں " ماأحد مس بيده محبرة ولاقلما إلا وللشافعی فی رقبته منة ولولاالشافعی ماعرفنا الحديث، وكان الفقه قفلاً على أهله حتى فتحه الله بالشافعی"، جس کے ہاتھ میں بھی قلم اور دوات ہے اس پر امام شافعی کا ضرور احسان ہے، اگر شافعی نہ ہوتے تو ہم فقہ حدیث جانتے ہی نہیں، فقہ، اہل فقہ پر مقفل تھا، امام شافعی کے ذریعہ اللہ نے یہ قفل کھول دیا۔

امام احمد بن حنبل اپنے استاذ محترم امام شافعی کے لیے بکثرت دعائیں کیا کرتے تھے، ایک دن ان کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد نے دریافت کیا ابا جان! یہ شافعی کون ہیں، جس کے لیے آپ اس کثرت سے دعا کرتے ہیں؟ فرمایا "يابنی كان الشافعی كالشمس للدنيا وكالعافية للبدن، هل لهذين من خلف أو عنهما من عوض؟"۔

اے میرے پیارے بیٹے! امام شافعی دنیا کے لیے مانند سورج اور جسم کے لیے مثل عافیت تھے، کیا ان دونوں کا کوئی بدل ہے؟۔

ابن عبدالحکیم فرماتے ہیں " لما حملت والدة الشافعی رأت كأن المشتری خرج من فرجها حتى انقض بمصرثم وقع فی كل بلد منه شظية فتأول أصحاب الرؤيا أنه يخرج منها عالم يخص علمه أهل مصر، ثم يتفرق فی سائر البلدان " امام شافعی کی والدہ جب حمل سے تھیں تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مشتری ستارہ ان کے بطن سے نکلا اور مصر میں ٹوٹ کر گرا، پھر اس کا ٹکڑا ہر شہر میں پھیل گیا، معبرین نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ ان کے بطن سے ایک عالم پیدا ہوگا جس کے علم کا فیض بطور خاص اہل مصر کو پہنچے گا پھر تمام ملکوں میں رائج ہو جائے گا۔

امام موصوف کے تلمیذ رشید ابوثور کا بیان ہے کہ جو شخص یہ دعوی کرے کہ اس نے امام محمد ابن ادریس جیسا عمل، فصاحت، معرفت، استقامت اور کلام پر قدرت رکھنے والا شخص دیکھا ہے۔ ﴿بقیہ اگلے صفحہ ۴۱ پر﴾

سیرت وکردار

امہات المومنین کے سچے واقعات

محمد شیث ادریس تیمی دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر دہلی

اللہ آپ کو ہرگز رسوانہ کرے گا:

رسول رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً اعلی انسانی قدروں کے حامل، شرک واوہام سے دور اور جاہلی رسم ورواج سے بیزار تھے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چالیس سال کے ہوئے تو دل کی تسکین کے لیے اشیائے خورد ونوش لے کر غار حرا تشریف لے گئے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ بھر عبادت وریاضت میں مشغول رہے اور مشاہدہ قدرت اور اس کے پیچھے کارفرما حکمت بالغہ پر غور فرماتے تھے، اسی حالت میں دوسال گزر گئے، تیسرے سال حسب معمول خلوت کدۂ حرا میں محو عبادت تھے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں آپ پر نازل ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اپنے دامن میں انوار لاہوت کی تجلی اور کندھے پر امانت کبری کا بوجھ لیے اپنی غمگسار بیوی خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کا دل دھک دھک کر رہا تھا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس تاریخی موڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس انداز میں ڈھارس بندھائی اور آپ کے پاکیزہ اخلاق وکردار سے جس طرح عارفانہ استدلال کیا، اس کی مثال نہ کسی دانشور کے کلام میں مل سکتی ہے، نہ کسی ادیب کے بیان میں بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس حیرت انگیز واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ''یہ مجھے کیا ہوگیا ہے؟ مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے''۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ''ہرگز نہیں، آپ خوش ہوجایئے، اللہ کی قسم! حق تعالی آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کا تعاون کرتے ہیں'' اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی تسکین خاطر کے لیے آپ کو ورقہ بن نوفل (جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور نصرانی عالم تھے) کے پاس لے گئیں، ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جسے اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام پر نازل کیا تھا، اس طرح آپ کا ملال طبع دور ہوگیا۔

افلاک سے آتاہے نالوں کاجواب :

دین اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر منافقین مدینہ کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے، اس لیے وہ ہمیشہ اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نئی نئی سازشیں اور پروپیگنڈے کرتے رہتے تھے، مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمان اپنے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ سے بےزار ہوکر ان کا ساتھ چھوڑ دیں اور اسلام کا سیل رواں تھم جائے، منافقین کی انہی کارستانیوں کی ایک اہم کڑی واقعہ افک بھی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر صحابی رسول صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بے بنیاد تہمت لگائی گئی مگر اللہ تعالی نے ان کی طہارت ونزاہت کے باعث عرش سے ان کی براءت نازل فرمائی، داستان ابتلاء یوں ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا رات کو قضائے حاجت کے لیے گھر سے نکلیں

ام مسطح ان کے ساتھ ہیں، چلتے چلتے راستے میں ام مسطح کوٹھوکرلگتی ہے اوران کے منھ سے نکلتا ہے:

ام مسطح’’خدا کرے مسطح کا جنازہ نکلے‘‘۔

عائشہ صدیقہ:’’تم ایسے آدمی کو برا کہہ رہی ہو جو غزوہ بدر میں شریک تھا‘‘۔

ام مسطح:’’بھولی بیٹی! تو نے کچھ سنا بھی کہ وہ کیا کہتا پھرتا ہے؟‘‘۔

عائشہ:’’کیا کہتا ہے وہ؟‘‘۔

ام مسطح ساری داستاں عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا دیتی ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی سے علالت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے توجہی کی وجہ سے کافی پریشان تھیں، یہ داستان سن کران کے کرب اور پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا، قضائے حاجت سے فارغ ہوکر فوراً گھر واپس آئیں کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اندر داخل ہوتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ:’’السلام علیکِ ورحمۃ اللہ‘‘۔

عائشہ صدیقہ:’’وعلیک السلام یارسول اللہ‘‘۔

رسول اللہ ﷺ:’’طبیعت کیسی ہے؟‘‘۔

عائشہ صدیقہ:’’میں میکے جانا چاہتی ہوں‘‘۔

رسول اللہ ﷺ:’’ٹھیک ہے چلی جاؤ!‘‘ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے میکے آجاتی ہیں۔

عائشہ صدیقہ:’’اماں! کچھ معلوم ہے تمہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہیں؟‘‘۔

ام رومان:’’ہاں بیٹی! تو رنج نہ کر دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو عورت خوب صورت، خوب سیرت اور خوش اقبال ہوتی ہے، حسد کرنے والی عورتیں اس کے درپے ہوجاتی ہیں‘‘۔

عائشہ صدیقہ:’’اماں! اللہ آپ کی مغفرت کرے، لوگوں میں تو اس کا چرچا عام ہے اور آپ نے مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا، اچھا یہ بتائیے کہ ابا حضور کو بھی اس کا علم ہو چکا ہے؟‘‘۔

ام رومان:’’ہاں!‘‘

اتنا سنتے ہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چیخ نکل جاتی ہے، دفعتاً ابوبکر رضی اللہ عنہ تلاوت ترک کرکے بالاخانے سے نیچے اترتے ہیں اورام رومان سے پوچھتے ہیں۔

ابوبکر صدیق:’’عائشہ کو واقعے کا علم ہوگیا؟‘‘۔

ام رومان:’’جی ہاں! اسے معلوم ہوگیا ہے‘‘۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں، ادھر عائشہ رضی اللہ عنہا پر شدید لرزہ طاری ہوتا ہے، ام رومان گھر کے سارے کپڑے انہیں اڑھا دیتی ہیں، ساری رات آنسوؤں میں کٹتی ہے، اگلی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر وحی کے سبب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور علی کرم اللہ وجہہ سے اس سلسلہ میں مشورہ کرتے ہیں۔

اسامہ:’’اللہ کے رسول عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی حرم ہیں، آپ کے شایان شان ہیں، ان کی عفت وعصمت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، آپ کی حرم محترمہ کی طہارت ونزاہت روز روشن کی طرح عیاں ہے، اس سلسلے میں رائے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری رائے ہی درکار ہے تو جواباً عرض ہے کہ میں نے آپ کے اہل وعیال میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا‘‘۔

علی رضی اللہ عنہ:’’یارسول اللہ! عورتوں کی کمی نہیں ہے، آپ ان کی جگہ دوسری بیوی کرسکتے ہیں، اور تحقیق کرنا چاہیں تو گھر کی خادمہ بریرہ سے دریافت فرمالیجئے، وہ سچ سچ بتادے گی‘‘۔

بریرہ خدمت رسول میں صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بریرہ! تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟‘‘۔

بریرہ:’’ہاں اے اللہ کے رسول!‘‘۔

رسول اللہ:’’میں تجھ سے جو کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ صاف صاف بتادینا، کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کرنا‘‘۔

بریرہ:’’آپ بلاتردد دریافت فرمائیں‘‘۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:’’کبھی عائشہ میں کوئی قابل اعتراض

بات تونے دیکھی؟''۔

بریرہ:''اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان میں ایسی کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جا سکے، بس اتنا عیب ہے کہ میں آٹا گوندھ کر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں کہ بی بی ذرا آٹے کا خیال رکھنا، مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے''۔

بریرہ کا تشفی بخش جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے جاتے ہیں اور حمد وثنا کے بعد یوں خطاب فرماتے ہیں:

'' مسلمانوں کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے، جس نے میرے گھر والوں پر الزام لگا کر مجھے اذیت پہنچانے کی حد کر دی ہے، میں نے نہ تو اپنی اہلیہ ہی میں کوئی برائی دیکھی ہے، اور نہ اس شخص (صفوان بن معطل) میں، جس کے متعلق تہمت لگائی جا رہی ہے، وہ تو کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر آیا بھی نہیں''۔

یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ کی حمایت وطرف داری کو لے کر اوس وخزرج میں تو تو میں میں شروع ہو جاتی ہے، قریب ہے کہ دونوں قبیلے آپس میں لڑ پڑیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر ان کو ٹھنڈا کرتے ہیں، ادھر رفتہ رفتہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت غیر ہوتی جاتی ہے، تسلی خاطر کے لیے پیارے ماں باپ ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں، اتنے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لاتے ہیں اور حمد وثنا کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہوتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:''عائشہ مجھے تیرے بارے میں ایسی ایسی خبر ملی ہے، اگر تو اس سے بری ہے تو اللہ تعالی بہت جلد تجھے بری کر دے گا (انشاء اللہ) اور اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ تعالی سے توبہ واستغفار کر، اس لیے کہ بندہ جب اس کے حضور میں اپنے گناہ کا اقرار اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے۔

اب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو تھم گئے، وہ والدین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دینے کو کہتی ہے، مگر کسی سے اس کا جواب نہیں بن پڑتا ہے، بالآخر وہ خود بول اٹھتی ہیں:

عائشہ صدیقہ:''اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ یہ بات سنتے سنتے آپ لوگوں کے دل میں بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے بالکل سچ سمجھ لیا ہے اس لیے اگر میں کہوں کہ میں بری ہوں (اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں بری ہوں) تو آپ لوگوں کو میری بات پر یقین نہیں آئے گا اور اگر میں الزام تسلیم کر لوں، حالانکہ اللہ تعالی خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں، تو آپ لوگ اس پر یقین کر لیں گے، ایسی صورت میں یقیناً میرے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثل موزوں ہے جیسے والد یوسف نے کہا تھا''فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون''۔

صبر ہی بہتر ہے اور جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے''۔(سورہ یوسف)

اتنا عرض کر کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری کروٹ لیٹ جاتی ہیں، انہیں امید ہے کہ اللہ تعالی ضرور ان کی براءت نازل کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اسی جگہ تشریف رکھتے ہیں کہ اچانک جبین رسالت پر نزول وحی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت مزید غیر ہو جاتی ہے کہ مبادا خلاف توقع وحی نہ نازل ہو جائے، سارا ماحول خوف ورجا اور امید وبیم میں ڈوبا ہوا ہے، نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی چہرۂ انور دمک اٹھتا ہے، فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:''مبارک ہو اے عائشہ! اللہ نے تمہاری برأت نازل فرما دی''۔

/////☆☆☆/////

iles\A027.TIF not found.

یادرفتگاں

حضرت حافظ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ

منشی عبدالغفور ناظم مدرسہ انوارالقرآن نعمت پور

حضرت حافظ قاری عبدالرحیم پسر میانجی بہادرعلی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی شکل وصورت والے متبع شریعت انسان تھے، محلّہ مظفری قصبہ مظفرآباد (ضلع سہارنپور) آپ کی جائے پیدائش ہے، حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ کے ارشد تلامذہ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہم سبق ہونے کے ساتھ ساتھ بیعت وارشاد کا شرف بھی حضرت تھانویؒ سے ہی حاصل تھا، آپ حضرت کے ان قریبی لوگوں میں سے تھے جو خانقاہ کے ملاقات وغیرہ اوقات کے اصول وضوابط سے مستثنیٰ تھے، آپ عمر بھر اپنے استاذ محترم اور پیر ومرشد کے نقش قدم پر گامزن رہتے ہوئے دین مبین کی بے لوث مخلصانہ طور پر نمایاں خدمات انجام دیتے رہے، آپ اعلیٰ درجہ کے قاری، شب بیدار، خیر خواں، دین کی حقیقی تڑپ اور گہرا درد رکھنے والے دیدہ ور انسان تھے، آپ وجیہہ آدمی تھے، چہرہ نہایت تابناک نور ایمانی سے منور اور بہت بارعب تھا، آپ کی زیارت وملاقات سے روح ایمانی میں تروتازگی اور شگفتگی پیدا ہوتی تھی، آپ کے خاندان میں کئی حافظ وناظرہ خواں تھے اور ابھی بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اس لیے آپ کا گھرانہ حافظوں کا خاندان مشہور ہے، آپ کریم النفس، وسیع الاخلاق، وسیع النظر، ذی فہم، صائب الرائے تھے، ظاہری نام ونمود اور تصنع سے کوسوں دور رہتے تھے، تقویٰ، طہارت، تواضع اور انکساری میں اسلاف کی یادگار اور اکابر کا نمونہ تھے، بڑے سنجیدہ، باوقار اور دین وملت کا درد رکھنے والے تھے، مصلح قوم وملت تھے، پوری زندگی سماج ومعاشرہ کی اصلاح کے لیے وقف کر رکھی تھی، ان کی فراست گہری، دل مومنانہ اور عزم مجاہدانہ تھا، بے مثال بصیرت کے مالک تھے، ہر طبقہ کے افراد کے خدمت گزار، دلسوز ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول خاص وعام اور مخلص ورہنما بھی تھے، وہ سادگی اور فقر کو ترجیح دیتے تھے، سادہ لباس، سادہ طبیعت، ملنسار، محبّ وطن، اخلاص وایثار کے مجسمہ پیکر تھے، ہر وارد وصادر کے لیے خوش مزاج، خوش اطوار وخوش گفتار تھے، طبیعت میں جوش کی بجائے ہوش ومتانت بدرجہ اتم تھی، غرباء کی حمایت واعانت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر من جانب اللہ ودیعت تھا، آپ انسان دوست تھے، بے بس، بے سہارا، بے کساں لوگوں کی فلاح وصلاح میں ہمہ وقت لگے رہتے تھے، وعظ ونصیحت کرنے میں آپ کا انداز بیان نہایت سادہ، دلنشیں اور بڑا مؤثر تھا، خانقاہ تھانہ بھون میں آپ کا قیام بسلسلہ تعلیم وتعلم کافی عرصہ تک رہا، اس زمانہ میں خانقاہ میں آپ کے ہم نام ایک عبدالرحیم اور تھے، امتیاز وشناخت کے لیے آپ کو قاری عبدالرحیم کے نام سے پکارا جاتا تھا، خانقاہ مذکورہ ہی میں آپ نے تعلیم وتربیت پائی، حضرت حکیم الامت کے فرمان پر تدریسی اور امامت کے فرائض بھی نہایت خوش اسلوبی سے ایک عرصہ تک انجام دئے، حضرت کے حکم وارشاد پر قاضی انعام الحق صاحب کے مکان (واقع رام پور منیہاران) میں قاری عبدالرحیم کی نامزدطلبی پر ان کے صاحبزادے قاضی احتشام الحق کی تعلیم وتربیت بھی کی ہے، دینی خدمت کا فطری احساس وجذبہ اس قدر تھا کہ اپنے محلّہ مظفری کی مسجد اپنے زیر انتظام معمولی معمولی چندہ جمع کر کے تعمیر کرائی، نیز بلاکسی معاوضہ کے تقریباً چالیس سال امامت بھی کی، ایسے ہی جامع مسجد مظفرآباد کے بحیثیت

متولی، تعمیری اور تنظیمی کام اعزازی طور پر اخلاص کے ساتھ تاحیات کرتے کراتے رہے، مدرسہ انوارالقرآن نعمت پور کے ابتدائی دور میں اس کی اچھی تعمیر وترقی کے لیے قابل قدر محنت وجفاکشی کی ہے، اس خدمت شائستہ کا مدرسہ سے ایک آنہ تک نہیں لیا، محض حسبۃً للہ کام کیا، مال وزر سے ہمیشہ بے نیاز رہے، دوسروں کا دکھ سہتے تھے، لیکن اپنا دکھ کسی سے نہیں کہتے، دوستوں کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاتے تھے؛ لیکن حرف شکایت زبان پر بھی نہیں لاتے تھے۔

آپ کا سب سے عظیم کارنامہ اور دینی شاہکار ویادگار مدرسہ ''انوارالقرآن'' ہے، جو آپ کے اخلاص وایثار کی کھلی دلیل وکرامت ہے، آپ اس مدرسہ کے بانی ہیں، آپ نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ نیز اپنے پیر ومرشد استاذ بھائی حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہما، قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے مشوروں اور اشاروں پر یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔

اس عظیم المرتبت جامع صفات ہستی نے اب سے ۶۵/سال قبل جامعہ انوارالقرآن نعمت کی ابتداء بے سروسامانی اور نامساعد حالات میں کی تھی، آپ نے اپنی حیات ہی میں اس کی وہ بے لوث خدمت انجام دی کہ جن کی مشعل انوار کی ضیا پاشیاں اس سنسان جنگل کو روشن کرتے ہوئے امت محمدیہ پر دور ونزدیک پڑنے لگی تھی۔

انوارالقرآن ابھی اپنی عمر کی ابتدائی منازل میں ہی تھا کہ ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ صبح ۸/بجے اس دارفانی سے دار بقا کو سدھار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں نماز جنازہ ہوئی، تدفین پیر امام علی شاہ مظفری کے قبرستان میں ہوئی، اس طرح جامعہ ''انوارالقرآن'' نعمت پور اپنے بانی اور محسن ومخلص کے اہتمام وانتظام بابرکت سے محروم ہوگیا، اللہ پاک حضرت کی بال بال مغفرت فرما کر کروٹ کروٹ سکون وراحت بخشے اوران کے لگائے ہوئے پودے کو خوب ترقیات سے نوازے اور مدرسہ کا فیض پورے عالم میں پہنچے، جناب حافظ صاحب اس دنیا سے تو رخصت ہوگئے لیکن اپنی دینی خدمات وکردار اور خدمت خلق نیز حسن اخلاق کی وجہ سے ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔

عمر بھر حسن عمل ان کا بھلا سکتے نہیں
داغ ان کی یاد کا دل سے مٹا سکتے نہیں

❁❁❁❁❁

﴿بقیہ پچھلے صفحہ ۳۶/کا﴾ وہ جھوٹا ہے، آپ لاثانی تھے، آپ کی وفات کے بعد دنیا ان کا بدل پیش نہ کرسکی اور نہ دھرتی نے ان جیسے انسان کو جنم دیا۔

وفات حسرت آیات:

ہائے افسوس! آسمان علم وفضل کا یہ نیر تاباں ایک زمانہ تک دنیا کو روشن کرکے، لوگوں کو صحیح رخ اور فقہ کوئی سمت دیکر، بدعات وخرافات کا ازالہ کرکے عالم میں علم کے موتی لٹا کر اور علم وادب سے اس کا دامن مالا مال کرکے زندگی کی ۵۴/بہاریں دیکھ کر ۲۰۴ھ میں بواسیر کے عارضہ میں مبتلا رہ کر ماہ رجب کی آخری تاریخ بروز جمعہ مصر کے افق میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں: ''مشہور قول کے مطابق جمعہ کی شب بعد نماز عشاء وفات ہوئی، رجب کا آخری دن تھا اور جمعہ کو عصر بعد تدفین ہوئی، تدفین سے واپسی پر لوگوں نے ماہ شعبان کا ہلال دیکھا، یہ سن ۲۰۴ھ تھا اور امام صاحب کی عمر ۵۴/سال کی تھی''۔

آپ کی وفات کا لوگوں پر بڑا اثر پڑا، مارے غم کے ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی، سب کے چہروں پر رنج وملال کے آثار نمایاں تھے، غم فراق نے ان کے شاگردوں کے دلوں کو چھلنی کردیا، ان کے علم کی عظیم الشان مجلس ویران اور مسند درس سونی ہوگئی، حسن اتفاق سے جمعہ کے مبارک دن ولادت ہوئی اور وفات بھی، جو حسن خاتمہ اور حسن حیات کی دلیل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہت بھی۔

❁❁❁❁❁

files e\Tif Files\A002.TIF not found.

سبق آموز

مجاہد شوہر کی تیس ہزار اشرفیاں
اور وفا شعار بیوی کا تاریخی کارنامہ

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

حضرت ربیع بن زیاد حارثی صحابی امیر خراسان نے جب شہر بجستان فتح کرلیا تو کچھ عرصہ بعد اپنی زندگی کا آخری کارنامہ انجام دینے کا فیصلہ کرلیا اور وہ ترکستان کے شہروں کو حلقہ بگوش اسلام کرتا تھا جہاں کفر وشرک کی حکومتیں قائم تھیں، حضرت ربیع بن زیاد نے اپنے ایک غلام فروخ کو بھی اس مہم میں شریک کرلیا تھا، مختصر مدت میں ترکستان کے تمام شہر اسلام کے زیرنگیں آ گئے اور کفر وشرک کی طاقتیں پاش پاش ہوگئیں، عظیم فاتح ربیع بن زیاد اور بہادر فروخ نے نصرت الٰہی پر دو رکعت نماز شکر الٰہی کی ادا کی، سرزمین ترکستان پر مسلمانوں کا یہ پہلا سجدہ الٰہی تھا جس کے بعد مستقبل قریب میں ہزارہا ہزار عباد زہاد علماء ومحدثین اسی سرزمین سے پیدا ہوئے۔

فاتح عظیم حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ نے اپنے نوجوان بہادر غلام فروخ کو اس کی شجاعت اور عظیم کارناموں پر غلامی سے آزاد کردیا اور مال غنیمت سے بھرپور حصہ دیا اور پھر اپنی طرف سے بھی خصوصی انعامات دیئے۔

بہادر فروخ مال غنیمت لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوا، اس وقت ان کی عمر تیس سال کے قریب تھی، یہاں پہنچ کر وسط شہر میں ایک کشادہ مکان خریدا اور مدینہ منورہ کے ایک شریف واعلیٰ خاندان کی لڑکی سے نکاح کیا جو علم وعمل میں ممتاز سمجھی جاتی تھی، اس ازدواجی زندگی نے بہادر فروخ کو زندگی کی وہ سب خوشیاں فراہم کی جو ایک انسان اپنی زندگی میں چاہتا ہے، لیکن امور خانہ داری کی یہ ساری نعمتیں اور عیش وعشرت بہادر فروخ کو مقصد جہاد سے دور نہیں کررہی تھیں؛ بلکہ ان کا شوق جہاد ان پر غالب ہی ہو رہا تھا، علاوہ ازیں مسجد نبوی شریف کے ائمہ وخطباء کے وعظ وارشادات مجاہدانہ زندگی کے لیے مسلمانوں کو ابھار رہے تھے، یہ تذکرے بہادر فروخ کو اپنے گھر میں چین سے بیٹھنے نہیں دے رہے تھے، آخر انھوں نے فیصلہ کرہی لیا کہ مجاہدانہ زندگی کا پھر آغاز کرنا چاہئے، گھر آئے عزیز رفیقہ حیات سے اس کا تذکرہ کیا، اس مخلصہ مومنہ خاتون نے اپنے عظیم شوہر کو وہ پرعظمت جواب دیا جو قیامت تک مسلم خواتین کے لیے عظیم درس رہے گا۔

بیوی کا عظیم حوصلہ:

آپ ضرور جائیے اسلام کی سربلندی کے لیے آپ کی خدمات ہمیں ضائع نہ کریں گی، آپ اسلام کی حفاظت کریں، اللہ ہماری حفاظت کرے گا۔

طبعی عذر:

لیکن میں ایک کمزور ناتواں خاتون ہوں اس وقت بچے کی ولادت کا وقت قریب آرہا ہے، اس کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے، بہادر فروخ کو بیوی کا حوصلہ اور پراعتماد مشورہ راحت وسکون کا پہاڑ ثابت ہوا، کہا عزیزۂ جان میں نے اس کا انتظام کردیا ہے، لو یہ تیس ہزار اشرفیاں ہیں ان کو اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے وقت خرچ کرتی رہنا انشاء اللہ مقصد کی تکمیل کے بعد گھر آؤں گا اور اگر اس راہ میں شہید ہوجاؤں تو صبر وہمت سے کام لینا صبر ہی سارے مصائب کا واحد حل ہے، یہ کہہ کر پرامید عزیز بیوی کو الوداع کہا اور بخارا وسمرقند اور اس کے اطراف کے شہروں کو فتح کرنے کی مہم میں مجاہدین کی صفوں میں شامل

ہو گئے۔

ولادت:

فروخ کی روانگی کو چند ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ اللہ تعالی نے بیوی کو چاند سا بیٹا عنایت فرمایا، جس کو دیکھ کر ماں اور عزیزوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہونے لگیں، شوہر کی جدائی کا دکھ درد اس طرح غائب ہوا جیسے بادل دور دور تک چھٹ جاتے ہیں، ماں نے بچے کا نام ربیعہ رکھا، الغرض نور چشم کی نشو ونما دن بدن اس تیزی سے بڑھنے لگی، گویا دن ہفتہ اور ہفتہ ماہ کے برابر ہو رہا تھا، چند ماہ میں بچے نے وہ نشونما پائی جو سال دو سال کے بچے پایا کرتے ہیں۔

تعلیم وتربیت:

حوصلہ مند ماں نے یہ طے کیا کہ وہ تیس ہزار اشرفیوں کی رقم بچے کی تعلیم وتربیت پر خرچ کرنی چاہئے، چنانچہ مدینہ منورہ کے اہل علم وفضل علماء سے مشورہ کر کے ننھے ربیعہ کو تین سال کی عمر میں مدرسہ میں داخل کر دیا، ربیعہ کو جب مدرسہ کی زندگی ملی تو ان کے فطری جوہر جگمگا اٹھے، فہم وذکاوت ظاہر ہونے لگی، بچے کی اس درخشاں حالت پر عقلمند ماں نے نیک سیرت ونیک کردار علماء واساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور بے دریغ صرفہ کرنا شروع کر دیا، معلمین کو بڑی بڑی تنخواہیں اور سہولیتیں فراہم کیں، غرضیکہ مختصر مدت میں ربیعہ نے لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل کر لی، پھر قرآن کریم کے حفظ کی سعادت پائی، اس کے بعد علم حدیث میں مشغول ہو گئے، وقت کے نامور محدثین کرام کی خدمات میں اپنے آپ کو حاضر باش غلام کی طرح مقید کر لیا، حوصلہ مند ماں نے علم اور اہل علم پر خوب خرچ کیا اور علم وحکمت کی ہر ہر ضرورت کو فراہم کیا۔

ربیعہ نے جلیل القدر صحابی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن مسیّب، امام مکحول شامی، محدث سلمہ بن دینار تابعین کی صحبت وخدمت کو لازم کر لیا اور علوم حدیث میں ایسا کمال حاصل کیا جو چند ہی خوش نصیب انسانوں کو نصیب ہوا ہے، مختصر مدت میں حضرت ربیعہ کے علمی چرچے عام ہو گئے اور شاگردوں کا اتنی کثرت سے ہجوم ہونے لگا کہ مدینہ منورہ میں ان کی درسگاہ سے بڑی دوسری درسگاہ نہ تھی دن کا نصف حصہ اپنی عظیم ماں کی خدمت اور گھریلو ضروریات کے لیے رکھا اور بقیہ نصف حصہ مسجد نبوی میں درس وتدریس، وعظ ونصیحت، دعوت وتبلیغ کے لیے وقف کر لیا، ان دنوں صاحبزادہ ربیعہ کی شہرت وحیثیت اس حد تک پہنچ چکی تھی جس کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔

شوہر کا انتظار:

عظیم ماں اپنے عزیز شوہر فروخ کی واپسی میں مہینے نہیں سالہا سال شمار کر رہی تھیں، تاخیر در تاخیر ہوتی ہی رہی، طویل عرصہ گزر گیا متضاد خبروں نے تشویش پیدا کر دی، بعضوں نے کہا وہ ابھی دور دراز علاقوں میں مشغول جہاد ہیں، کسی نے کہا کہ وہ دشمنوں کے یہاں قید وبند کی حالت میں گرفتار ہیں، بعضوں نے کہا وہ راہ جہاد میں شہید ہو چکے ہیں، اس غیر یقینی صورت حال سے ربیعہ کی ماں کا یہ احساس شدید ہونے لگا کہ وہ اپنی مراد کو پا چکے ہیں (یعنی شہید ہو چکے ہیں) لیکن حوصلہ مند بیوی نے صبر وہمت کو جانے نہ دیا اور اللہ تعالی سے یہی آس لگائے رہی کہ وہ کبھی نہ کبھی آ ہی جائیں گے۔

بہادر فروخ کی آمد:

گرمیوں کے دن تھے، چاندنی رات میں ایک نووارد اسلحہ سے لیس مجاہد مدینہ منورہ آیا لیکن اس کو اپنا مکان شناخت کرنے میں دشواری ہو رہی تھی، وہ دائیں بائیں طرف جاتا پھر واپس ہو جاتا، اپنے مکان کا محل وقوع تو اس کو یاد تھا لیکن محلّہ کی جدید تعمیرات اور عمارات کی وجہ سے اس کو اپنا مکان سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، یہ اس لیے بھی کہ اس کو راہ جہاد میں اپنے وطن سے نکلے تیس سال کا عرصہ ہو رہا تھا، اس طویل عرصہ میں شہر مدینہ کے حدود طویل وعریض ہو چکے تھے، وہ اس غور وفکر میں پڑ گیا کہ اپنا خرید کردہ مکان اور اپنی نیک وحوصلہ مند بیوی کو اس شہر میں چھوڑ گیا تھا، کیا وہ وفات پا چکی ہے یا کسی دوسری جگہ منتقل ہو گئی ہے اور اس کے ہونے والے بچے کا کیا ہوا، مختلف وساوس میں وہ ایک

کنارے خاموش کھڑا تھا، لوگ آگے پیچھے سے گزر رہے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ مدینہ منورہ میں شب وروز مجاہدین کی آمدورفت کثرت سے ہوا کرتی تھی، عام لوگ کسی نووارد پر خصوصی توجہ نہیں دیتے تھے، بہادر فروخ کھڑے کھڑے اپنے مکان کے بارے میں غور کررہے تھے کہ قریب ہی ایک شکستہ مکان نظر آیا، غور کیا تو اپنا ہی مکان محسوس ہوا، دروازہ خستہ پستہ تھا کھول کر داخل ہوگئے، صحن میں آہٹ پاکر نوجوان ربیعہ اپنے حجرے سے باہر نکلے اور سخت وتند لہجہ میں آواز دی، ارے کون ہے! اللہ سے خوف کر، بے اجازت کیوں داخل ہوا؟ یہ کہہ کر ربیعہ آگے بڑھے اور ان پر حملہ کرنا ہی چاہا کہ ماں اس شور پر اپنے کمرے سے نکلی اور چند ہی لمحات میں اپنے شوہر کو پہچان لیا، بیٹے ربیعہ سے کہا ربیعہ آگے نہ بڑھو یہ تمہارے والد ہیں جو تم کو تیس سال پہلے چھوڑ گئے تھے، یہ سنتے ہی بہادر فروخ آگے بڑھے اور اپنے لخت جگر کو سینے سے لگالیا، ربیعہ نے بھی اپنے باپ کے ہاتھ چومے اور معانقہ کیا، ماں نے اپنے شوہر کو سلام کیا اور عزت واکرام سے اندرون خانہ لے آئی، سارا گھر خوشیوں اور مسرتوں سے بھر گیا، پڑوسیوں نے بھی آکر مبارکباد دی۔

تیس ہزار اشرفیوں کا انجام:

رات کے آخری حصہ تک ایک دوسرے کی تفصیلات کا ذکر ہوتا رہا، تیس سالہ مدت کیا کچھ کم تھی جس کا تذکرہ ختم ہوجاتا، غم ومصیبت، راحت وسکون کے تذکرے جاری تھے، اثنائے گفتگو بیوی کو بار بار یہ خیال آرہا کہ اگر شوہر نامدار اس کثیر رقم کے بارے میں دریافت کریں جو چلتے وقت اس تاکید کے ساتھ دی گئی تھی کہ احتیاط وکفایت شعاری سے اس کو خرچ کرنا تو میں اسکا کیا جواب دوں گی؟ جب کہ ساری رقم صاحبزادے ربیعہ کی تعلیم وتربیت پر خرچ ہوچکی ہے، اگر میں یہ بات کہہ دوں تو کیا انہیں یقین بھی آئے گا اور کیا تیس ہزار اشرفی ایک بچے کی تعلیم وتربیت پر خرچ کی جاتی ہے، میں اس کا کیا جواب دوں، اس قسم کے مختلف وساوس ام ربیعہ کے دل کو پریشان کررہے تھے اور وہ سوچ وفکر میں پڑگئیں، شوہر نے اس غیر شعوری کیفیت کو محسوس کیا اور اپنی جیب سے چار ہزار اشرفیاں نکالیں اور پھر عزیز بیوی سے کہا لو یہ رقم اپنی اس بقیہ رقم میں شامل کرلو جو تمہیں دی گئی تھی، لاؤ اس کل رقم سے ہم کوئی بڑا باغ یا زمین خرید لیں جو ہمارے مستقبل کے روزگار کا سبب بنے، اس تجویز پر عقلمند بیوی نے سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہیں دیا، فروخ نے اپنی بات پھر دہرائی، کہنے لگیں میں نے اس رقم کو اسی مصرف میں لگایا ہے جس میں صرف کرنی چاہئے تھی، انشاء اللہ بہت جلد اس امانت کو واپس کردوں گی، ابھی یہ باتیں ہوہی رہی تھیں کہ مؤذن نے فجر کی اذان پڑھنی شروع کی، بات ختم ہوگئی، فروخ نے وضو سے فارغ ہوکر صاحبزادے ربیعہ کو آواز دی، تو کہا گیا کہ وہ اذان فجر سے بہت پہلے مسجد نبوی میں جاچکے ہیں، فروخ تیزی سے مسجد پہنچے، نماز ادا کرنے کے بعد روضۂ اقدس پر آئے اور خدمت اقدس میں سلام پیش کیا۔

صاحبزادے ربیعہ کا مقام:

فروخ سورج بلند ہونے تک دعا وذکر میں مشغول رہے، نماز اشراق پڑھ کر واپس ہورہے تھے کہ دیکھا مسجد نبوی شریف کا ایک بڑا حصہ انسانوں سے پر ہوچکا ہے، اتنا بڑا علمی حلقہ فروخ نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا، حاضرین میں عوام کے علاوہ بڑی تعداد اہل علم وفضل اور معمر حضرات کی تھی یہ سب ایک جواں سال شیخ کے اطراف احاطہ کئے ہوئے دوزانو بیٹھے ہیں اور شیخ احادیث نبوی کا درس دے رہے ہیں، اہل مجلس پروقار طور پر متوجہ ہیں، نوجوان کی ایک بڑی تعداد لکھنے میں مشغول ہے اور شیخ کے ایک ایک کلمے کو قیمتی موتیوں کی طرح محفوظ کررہے ہیں، فروخ کو اس علمی منظر نے بیحد متأثر کردیا، چاہا کہ آگے بڑھ کر دیکھے کہ یہ کون شیخ ہیں لیکن لوگوں کی کثرت اور ہجوم کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے اور دور ہی دور سے اس پر عظمت مجلس کا نظارہ کرتے رہے، کچھ دیر بعد مجلس برخواست ہوئی تو دیکھا کہ شیخ موصوف کو رخصت کرنے کے لیے سارا مجمع ٹوٹ پڑا ہے، پھر بھی قریب ہونے کا موقع نہ ملا، جب وہ شیخ مسجد نبوی شریف سے باہر ہوگئے تو ایک شخص سے

پوچھا یہ شیخ کون ہیں؟ اس نے تعجب سے فروخ کو دیکھا اور کہا کہ کیا آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے نہیں، فروخ نے کہا کیوں نہیں میرا یہی وطن ہے، پھر اس شخص نے کہا کیا مدینہ منورہ میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو شیخ کو نہ جانتا ہو، فروخ نے کہا مجھے معاف کیجئے میں یقیناً نہیں جانتا، گزشتہ کئی سال سے بیرون وطن تھا کل ہی رات مدینہ منورہ پہنچا ہوں، اس شخص نے کہا تو پھر آپ بیٹھ جائیے، تفصیل سے عرض کرتا ہوں، جس شیخ کے بارے میں آپ دریافت کررہے ہیں وہ ایک جلیل القدر تابعی اور مدینہ منورہ کے سب سے کم عمر محدث وفقیہ ہیں۔

فروخ نے کہا ماشاءاللہ، سبحان اللہ کیا عظیم مقام والے ہیں، فروخ نے کہا کہ شیخ کا کیا نام ہے، اس شخص نے کہا ربیعۃ الرائے، فروخ نے کہا جناب آپ نے شیخ کا نسب بیان نہیں کیا، اس شخص نے کہا ان کا پورا نام ربیعہ بن فروخ ہے اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، جب یہ بطن مادر میں تین ماہ کے تھے ان دنوں ان کے باپ فروخ جہاد بخارا وسمرقند کی مہم میں حصہ لینے مجاہدین کے ساتھ روانہ ہوگئے تھے، طویل عرصہ ہورہا ہے معلوم نہیں وہ باحیات ہیں یا راہ جہاد میں شہید ہوگئے ہیں، یہ تفصیل بیان کرکے وہ شخص روانہ ہوگیا، فروخ کہتے ہیں کہ دوران گفتگو میری آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے لیکن اس شخص نے نہ اس کا سبب جانا اور نہ دریافت کیا، میں اپنے گھر آیا میری آنکھ سے آنسو جاری تھے، بیوی نے یہ حالت دیکھ کر پوچھا، خیر تو ہے کیا بات پیش آئی، میں نے کہا عزیز جان کچھ نہیں سب خیر ہی خیر ہے، میں نے اپنے بیٹے ربیعہ کو علم وفضل، عزت واکرام کے اتنے بلند مقام پر دیکھا جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا، میں حیران ہوں کہ میرا یہ بیٹا کتنا عظیم المرتبت ہوچکا ہے، بادشاہوں کو بھی یہ عزت نصیب نہ ہوئی، عقلمند وفا شعار بیوی نے نامدار شوہر فروخ کے اس بے پناہ تاثر کو محسوس کیا اور ماحول کی اس زرخیزی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہنے لگی جناب تیس ہزار اشرفیاں بہتر ہیں یا بیٹے کی یہ سرمدی عزت ومرتبت، فروخ نے کہا اللہ کی قسم یہ تو کیا دنیا کی تمام مال ودولت سے یہ کہیں زیادہ بلندتر اور عزیز تر ہے۔

عقلمند بیوی نے کہا تو بس آپ سن لیں میں نے آپ کی ساری امانت تیس ہزار اشرفیاں اسی بچے کی تعلیم وتربیت پر صرف کی ہیں کیا آپ کو یہ پسند ہے۔

مجاہد فروخ نے کہا کہ بے شک اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے صرف مجھ پر ہی احسان نہیں کیا بلکہ ملت اسلامیہ پر احسان کیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا وآخرت میں عزت وسرفرازی عطا کرے۔ آمین

مغربی تہذیب کی پیروی کے برے نتائج

اجتماعی ومعاشرت اور سوشل زندگی میں مغربی طریقوں کی پیروی اور ان کے اصول زندگی اور طرز معاشرت کو قبول کرلینا اسلامی معاشرہ میں بڑے دوررس نتائج رکھتا ہے، اس وقت مغرب ایک اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، جس سے اس کا جسم برابر کٹتا اور گلتا چلا جارہا ہے اور اب اس کی عفونت پورے ماحول میں پھیلی ہوئی ہے، اس مرض جذام کا سبب (جو تقریباً لاعلاج ہے) اس کی جنسی بے راہ روی واخلاقی انارکی ہے، جو بہیمیت وحیوانیت کے حدود تک پہنچ گئی ہے؛ لیکن اس کیفیت کا بھی حقیقی واولین سبب عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی، مکمل بے پردگی، مردوزن کا غیر محدود اختلاط اور شراب نوشی تھی، کسی اسلامی ملک میں اگر عورتوں کو ایسی ہی آزادی دی گئی، پردہ یکسر اٹھادیا گیا، دونوں صنفوں کے اختلاط کے آزادانہ مواقع فراہم کئے گئے، مخلوط تعلیم جاری کی گئی، تو اس کا نتیجہ اخلاقی انتشار اور جنسی انارکی، سول میرج، تمام اخلاقی ودینی حدود واصول سے بغاوت اور بالاختصار اس اخلاقی جذام کے سوا کچھ نہیں، جو مغرب کو ٹھیک انہیں اسباب کی بنا پر لاحق ہوچکا ہے، ان اسلامی ملکوں میں جہاں مغربی تہذیب کی پرجوش نقل کی جارہی ہے اور جہاں پردہ بالکل اٹھ گیا ہے، اور مردوزن کو اختلاط کے آزادانہ مواقع حاصل ہیں، پھر صحافت، سنیما، ٹیلی ویژن، لٹریچر اور حکمراں طبقہ کی زندگی اس کی ہمت افزائی بلکہ رہنمائی کررہی ہے، وہاں اس جذام کے آثار وعلامات پوری طرح ظاہر ہونے لگے ہیں اور یہ قانون قدرت ہے جس سے کہیں مفر نہیں۔ (سارہ عزیزی ناظمہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات)

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: تاریخ ہند
مصنف: مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی
صفحات: ۱۵۳/ قیمت: درج نہیں
ناشر: مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل

زیرتبصرہ کتاب ''تاریخ ہند از عہد قدیم و عہد اسلامی تا آزادی مع تعارف اقوام، مذاہب وشخصیات'' ایک پختہ قلم کار، جید عالم دین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ندوی بھٹکلی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل و جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے قلم سے ہندوستان کی تاریخ پر ایک بہترین شاہکار ہے، جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت جامع اور اہم ہے، کتاب ظاہری و معنوی اعتبار سے بہت خوب ہے، کتابت وطباعت عمدہ اور معیاری ہے، اسلوب سادہ دلکش اور جاذب نظر ہے، جس میں روحانی و معنوی اسپرٹ بھری ہوئی ہے، اس کتاب میں ماضی کی تاریخ بھی ہے اور جائزہ بھی حقائق بھی ہے اور تاریخ نویسی بھی، حقیقت بیانی بھی ہے اور معلومات کا انتخاب بھی، اسلوب بیان بھی سہل اور شگفتہ ہے، کتاب کے شروع میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ لکھتے ہیں کہ ''اس (کتاب) میں ہندوستان کے مختلف معلوماتی پہلوؤں سے واقفیت کرائی گئی ہے، اس میں نئی نسل کے وسیع ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ملک کی قابل قدر باتوں سے واقف کرایا گیا ہے، یہ ایک اچھا کام ہے، موجودہ دنیا میں جب کہ ثقافت عامہ کی اہمیت ہوگئی ہے اور زندگی کے اجتماعی تقاضوں نے ماضی وحال کے اہم حالات سے اوران حالات کا سبب بننے والے اشخاص سے واقفیت کو ضروری بنادیا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کے حالات سے کہ جن کے متعلق غیروں نے بہت غلط فہمیاں پھیلائی ہیں، ان سے ہماری نئی نسلوں کو واقف ہونا چاہئے تاکہ ان کو یہ محسوس ہو کہ وہ ایک شاندار ماضی رکھتے ہیں اور ان کے اسلاف نے انسانیت کی جو بڑی خدمت انجام دی ہے اور ملک وقوم کو سدھارنے اور سنوارنے میں جو بڑا حصہ لیا ہے وہ اس کو جانیں اور اپنی ماضی کی خوبیوں کو اپنائیں، اس طرح وہ صرف ایک زندہ قوم ہی ثابت نہیں ہوں گے بلکہ دنیا کی ایک زبردست قائد ملت شمار ہوں گے'' کتاب کے مقدمہ نگار حضرت مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی رقمطراز ہیں کہ ''مصنف نے ہندوستان کی طویل وعریض مکمل تاریخ کو مثبت ومدلل اسلوب میں نہایت سلیس وواضح طرز تحریر اختیار کر کے دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی قدیم مثال کو زندہ کردیا ہے، توقع ہے کہ یہ کتاب اسلامی مدارس کے ایک نصابی خلاء کو پر کرے گی اور ہمارے تاریخی نصاب کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ثابت ہوگی''۔

مصنف کتاب خود اپنی تصنیف کا پس منظر تحریر کرتے ہیں کہ ''مدت سے خاص کر ہمارے دینی مدارس کے نصاب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ایسی جامع کتاب کی تدوین وتالیف کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی جس میں بیک وقت عہد اسلامی سے قبل ہندوستان کی قدیم اور ابتدائی تاریخ کا احاطہ بھی ہو اور اسلامی دور کا ملک کی آزادی تک تفصیلی جائزہ بھی، اسی کے ساتھ یہاں کے باشندوں، قوموں اوران کے مذاہب وعقائد پر بھی اس میں روشنی ڈالی گئی ہو، اس کے علاوہ اس میں ان مسلم مذہبی شخصیات کے حالات زندگی کا اجمالی خاکہ بھی ہو جن سے اس ملک کے باشندوں کو توحید جیسی عظیم نعمت سے سرفراز ہونے کا اللہ تعالیٰ نے موقع عنایت فرمایا، اس طرح مغربی سامراج سے ملک کو آزاد کرانے میں جن قابل فخر سپوتوں نے اپنی قربانیاں پیش کیں ان کا تذکرہ بھی اس میں ہو، اوران کی تحریکات کا جائزہ بھی، یہ اور اسی طرح کی ضروریات کے پیش نظر کتاب ''تاریخ ہند'' کے نام سے الحمدللہ مرتب کی گئی ہے'' ان تحریروں کی روشنی میں کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں رہا، پھر بھی کتاب کے مشمولات کو دیکھئے اور اندازہ لگائیے، اس طرح کہ اس کتاب میں مکمل تیرہ ابواب ہیں، مثلاً: قدیم ہندوستان، موجودہ ہندوستان، ہندوستان کے قدیم باشندے اور موجودہ اقوام، ہندوستان کے مذاہب، ہندوؤں کی طبقاتی تقسیم، مذہبی رہنما وکتابیں، عہد قدیم کے مختلف حکمراں خاندان، ہندوستان میں اسلام کی آمد، ہندوستان اسلامی دور میں، ہندوستان کی خود مختار حکومتیں، ہندوستان انگریزوں کے عہد میں، جنگ آزادی کی نمایاں تحریکات اور اہم واقعات، تاریخ ہند کی ممتاز مسلم مذہبی شخصیات، جنگ آزادی کے نامور مجاہدین، غرضیکہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت اہم ہے، اس لیے ارباب مدارس اور اسکول وکالج کے ذمہ داروں سے گزارش کی جاتی ہے کہ اس کتاب کو اپنے نصاب میں ضرور رکھیں، تاکہ طلبہ کو اپنے ملک کی تاریخ کے ساتھ اپنے بزرگوں کی قربانیوں کا پتہ چل سکے۔

نام کتاب: شیریں سخن

مرتبین: مولانا محمد خورشید عالم داؤد قاسمی

مولانا مفتی عبدالقوی ارشد قاسمی

صفحات: ۴۰/ قیمت: درج نہیں

ناشر: دارالعلوم مرکز اسلامی، انکلیشور، گجرات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ''میری امت کے جس شخص نے اپنے دین سے متعلق چالیس احادیث یاد کرلی، تو وہ علماء میں سے ہے اور قیامت کے دن میں اس کے لیے سفارشی ہوں گا'' اس حدیث کے پیش نظر ہر زمانے میں علماء امت نے چہل حدیث کی جمع وترتیب، ترجمہ اور تشریح کا کام انجام دیا ہے، کسی نے صرف چالیس حدیثیں جمع کیں، کسی نے چالیس احادیث قدسیہ ترتیب دیں، کسی نے کسی خاص موضوع پر چالیس احادیث جمع کیں، کسی نے مختلف موضوعات پر چالیس حدیثیں جمع کیں اس طرح کسی نے کسی ایک راوی کی چالیس روایات جمع کیں اس طرح مختلف زبانوں میں ترجمہ وتشریح کا کام ہوا۔

زیر تبصرہ کتاب ''شیریں سخن'' چالیس احادیث کا مجموعہ ہے، جس میں اسلام، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سلام، قربانی، شادی بیاہ اور دوسرے موضوعات سے متعلق چالیس حدیثیں انگریزی وار دو ترجمہ کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اس کتاب کے مرتبین دو ہونہار فضلاء اور علماء دین جناب مولانا محمد خورشید عالم داؤد قاسمی صاحب وجناب مولانا مفتی عبدالقوی ارشد قاسمی صاحب اساتذہ شعبہ انگریزی دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور گجرات ہیں، جنہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مختلف اسلامی موضوعات پر احادیث کو جمع کیا اور ساتھ ہی ہر حدیث کا پہلے اردو میں پھر انگریزی میں ترجمہ کیا جس سے کتاب کی افادیت واہمیت بڑھ گئی، خاص کر ان مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے لیے یہ کتاب ایک بہترین شاہکار ہے، جہاں پر چالیس حدیثیں یاد کرانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جہاں پر زمانہ اور عصری تقاضے کے پیش نظر انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے، وہاں اس مجموعہ سے طلبہ کے لیے احادیث کے اردو وانگریزی ترجمہ کے ساتھ یاد کرنا آسان ہوجائے گا اور چونکہ انگریزی میں ترجمہ علماء کے قلم سے ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انگریزی داں علماء انگریزی میں قرآن وحدیث کا جیسا ترجمہ کرسکتے ہیں ویسا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، اس لیے اہل مدارس کے طلبہ اور عام پڑھے لکھے لوگوں کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اللہ تعالی مرتبین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور طلبہ کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نام کتاب: عیدالفطر کا پیغام امت مسلمہ کے نام

تالیف: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پالنپوری

صفحات: ۴۸/ قیمت: درج نہیں

ناشر: دارالعلوم امدادیہ، گڑھی، یمنا نگر، ہریانہ

زیر تبصرہ کتاب ''عیدالفطر کا پیغام امت مسلمہ کے نام'' حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا کوسی کا وہ بیان ہے جو انہوں نے ممبئی میں عید کے مبارک موقع پر ایک بڑے مجمع میں کیا تھا، مولانا موصوف کو جس طرح درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا ذوق ہے اسی طرح انہیں وعظ وتقریر اور بیان کرنے کا ملکہ بھی خوب حاصل ہے، اس مجموعے کے مضامین کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے مولانا کو خطابت کا بھی بہترین سلیقہ عطا کیا ہے۔

ماشاء اللہ اس کتاب کے مضامین میں تسلسل بھی ہے اور سلاست بھی، مواد بھی ہے اور انداز خطابت بھی، مدبھی، اور زجر بھی، جگہ جگہ قرآنی آیات اور احادیث سے استدلال بھی، اس کے مضامین میں تنوع اور تسلسل پیدا کرنے کرنے کے لیے ذیلی عناوین کا بھی اضافہ کیا گیا ہے، اس طرح کل ۲۸/ ذیلی عناوین قائم کئے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت اور اہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے، اور قاری کے لیے دلچسپی کا سامان مہیا ہوگیا ہے۔

مولانا نے اگرچہ اس کا نام عیدالفطر کا پیغام رکھا ہے، مگر مضامین کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف عید کے دن کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ سال کے عام دنوں کے لیے بھی اس میں پیغام ہے، اس کو پڑھ کر عام دنوں میں بھی اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، کتاب آپ کے ہاتھ میں آنے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ اس کے مضامین کس قدر مفید اور اچھے ہیں، اس لیے قارئین سے امید کی جاتی ہے کہ اس کتاب کو حاصل کر کے اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے، خاص طور سے عیدالفطر کے موقع پر تقریر کرنے والوں کو اس سے کافی رہنمائی مل سکتی ہے۔

امید ہے کہ جس مقصد کے لیے اسکی اشاعت کی گئی ہے اس میں بھرپور کامیابی ہوگی، اللہ تعالی حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان سے خوب دینی کام لے، اور امت کو نفع پہنچے۔

نیا سال مبارک ہو!

نیا سال تمام قارئین کو مبارک ہو، نیز نیا سال کا یہ تازہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ اس کو جاننے کے لیے ہمیں آپ کی تحریروں کا شدت سے انتظار رہے گا۔

مراسلات

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

عزت مآب جناب مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

چیف ایڈیٹر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد، سہارنپور

آپ کا ماہنامہ ''نقوش اسلام'' ماہ نومبر ۲۰۰۸ء کا ہمدست و باصرہ نواز ہوا، اس کے صفحہ نمبر ۳۱ر پر خشونت سنگھ کے جواب کے عنوان سے محترمہ صفیہ اقبال رکن مسلم پرسنل لاء بورڈ نے ہر مذہب کی بہت اچھی معلومات دیکر ثبوت پیش کیا ہے، اس لیے بندہ ان کو پرخلوص مبارک باد دیتا ہے، صفحہ نمبر ۳۱ر پر ان کا مکمل پتہ نہیں ہے، اس لیے آپ از راہ کرم ان کے گھر کا صحیح پتہ فوراً روانہ فرمائیں ایک ادبی احسان ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے خشونت سنگھ کو اچھا جواب دیا ہے، اور آپ نے ان کا جواب شائع کر کے قارئین کو بھی ہر مذہب کی معلومات سے روشناس کرایا ہے، اس لیے مبارک باد قبول کیجئے، آپ کی توجہ کا منتظر۔

سید شبیر علی شبیر

امام باڑ اراو یر جلگاؤں مہاراشٹر

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

سلام مسنون!

امید کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے، ضروری تحریر یہ ہے کہ آپ کے مؤقر رسالہ کو کئی بار سرسری طور سے دیکھنا ہوا، لیکن بنظر غائر دیکھنے کا پہلی بار اتفاق ہوا، پہلا صفحہ پلٹا تو پلٹتا ہی چلا گیا، تمام مضامین پرمغز اور معیاری نظر آئے، رسالہ کی عمدگی اور مضامین کی خوش ترتیبی موصوف کے پاکیزہ ذوق اور صاف ستھرے اَدبی ذوق کی غمازی کرتا ہے، میرے فاضل دوست اور آپ کے رفیق درس مفتی رحمت اللہ صاحب ندوی نیپالی کے ہمراہ مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر رائے بریلی میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور آنجناب کے علمی وادبی کاموں کا علم ہوا تھا، اور مضامین پڑھ کر مزید اعتماد بحال ہوا، اللہ پاک مزید دین کی خدمت لے اور تمام شر و رفتن سے محفوظ رکھے۔ آمین

دوسری بات یہ کہ ''اسلامی اخلاقیات، سیرت النبی کے آئینہ میں'' کے عنوان سے راقم الحروف نے ایک مضمون قلمبند کیا ہے، جس کو آپ کے محبوب رسالہ ''نقوش اسلام'' کے لیے بھیجا جا رہا ہے، امید ہے کہ پسند آئے گا، فاضل دوست مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی نے پسند کیا اور فرمایا کہ آپ اسے ''نقوش اسلام'' میں اشاعت کے لیے بھیج دیجئے، راقم الحروف یہ حقیری سی کاوش آپ کے حوالہ کر رہا ہے، امید کہ آپ اپنے مؤقر رسالہ میں شائع فرما کر راقم الحروف کی ہمت افزائی فرمائیں گے۔ فقط والسلام

طالب دعاء

محمد دلشاد ندوی

خادم مدرسہ فلاح المسلمین تیندوا، رائے بریلی

عزیز محترم مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' جب سے شائع ہونا شروع ہوا ہے میرے پاس نہایت پابندی سے آ رہا ہے، جہاں ایک طرف اتنی پابندی سے نکالنے کے لیے آپ کی ہمت وحوصلہ قابل تعریف ہے وہاں اس کی روز بروز ہر لحاظ سے ترقی بھی باعث تعجب ہے کہ آپ اس کام کے لیے اتنی محنت اور اتنا وقت کیسے نکال لیتے ہیں، جب کہ محض مضمون لکھنا ہی کارے دارد، بہر حال جب سے یہ رسالہ ملنا شروع ہوا تبھی سے آپ کو رسید بھیجنے اور اظہار پسندیدگی کا ارادہ رہا؛ لیکن لکھنے کے معاملے میں یہ ناکارہ زیادہ ہی ناکارہ ہے، ارادہ ارادہ ہی رہا اور ہر مرتبہ اس ارادہ کی تجدید ہوتی رہی لیکن تحقیق کی نوبت نہیں آئی، لیکن نومبر کے شمارے میں آپ کی نہایت عزیز بھتیجی کی وفات کی خبر اور اس پر آپ کے تأثرات نے دل کو بے چین کر دیا، اس بچی کو آپ سے تعلق بھی عجیب تھا، کہیں سنا تھا کہ جو لوگ انسانوں میں پسندیدہ ہوتے ہیں وہ رب حقیقی کے بھی محبوب ہوتے ہیں، اس لیے ان کو جلد ہی بلا لیا جاتا ہے۔

بہر حال آپ حضرات کے لیے صبر کا امتحان ہے اور انشاء اللہ آپ اس میں پورے اتریں گے، میری اور گھر والوں کی طرف سے آپ کو اور بچی کے والدین اور دادا، دادی کو تعزیت پیش ہے۔ والسلام

دعا گو

ساجد میاں

تاج انکلیو، نئی دہلی

Files\A026.TIF not found.